

# نفلی روزے کا ثواب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بَاعَدَ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ  
سَبْعِينَ خَرِيفًا . (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام فی

سبیل اللہ لمن یطیقہ بلا ضرر ولا تفویت حق، رقم: ۱۶۸ / ۱۱۵۳)  
”جو شخص ایک دن اللہ کے راستے میں روزہ رکھے، (اس ایک دن کے بدلے) اللہ  
تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے ستر سال مسافت کی دوری پر کر دے گا۔“

## نفلی روزے کی شرعی حیثیت

رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے:

۱: شوال کے چھ روزے: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
(مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)

(صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب ستة ایام من شوال ..... الخ، رقم: ۱۱۶۴)

”جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر اس کے پیچھے چھ روزے شوال کے رکھے تو گویا کہ اس نے ہمیشہ (سال بھر) روزے رکھنے کی مانند ہوگا۔“

اشیخ محمد جمیل زینیو رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ

قال العلماء: الحسنة بعشر أمثالها، رمضان بعشر شهور، والأيام الستة بشهرين، فيكون المجموع: ۱۲ شهرا (سنة) وإذا تكرر الصيام يكون دهرا.

”علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے لہذا رمضان المبارک کے روزے دس ماہ کے روزے کے برابر ہوئے اور چھ شوال کے روزے دو ماہ کے برابر ہوئے تو ٹوٹل بارہ ماہ یعنی ایک سال ہوتا ہے لہذا اگر کوئی لگاتار روزے رکھے تو یہ سارے سال کے روزوں کی مانند ہوں گے۔“

۲: دس ذی الحجہ کے روزے: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((وَقَالَ ﷺ: مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ (يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ) قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ))

”ان دنوں یعنی عشرہ ذی الحجہ کے دنوں کے نیک عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں۔ لوگوں نے پوچھا جہاد میں بھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں جہاد میں بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان مال خطرے میں ڈال کر نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا۔ (بخاری کتاب العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق رقم: ۹۶۹۔ ابوداؤد، رقم: ۲۴۲۸ ولفظہ)

۳: عرفہ کا دن روزہ رکھنا: عرفہ کے دن روزہ صرف حاجیوں کے علاوہ سب رکھ سکتے ہیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے عرفہ کا دن کا روزہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:  
(عَنْ صَوْمٍ عَرَفَةَ فَقَالَ يُكْفَرُ السَّنَةُ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ)

(صحیح مسلم: باب استحباب ثلاثة ایام من كل شهر ..... رقم: ۱۱۶۲)

”عرفہ کے دن کا روزہ کے بارے میں فرمایا یہ ایک سال گزشتہ ایک سال آئندہ کے گناہ مٹا دیتا ہے۔“

تحقیق رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ بھیجا اور آپ مقام عرفہ میں لوگوں کو خطاب فرما رہا تھا تو آپ نے دودھ نوش فرمایا۔

(بخاری کتاب الصوم باب صوم يوم عرفه رقم: ۱۹۸۹)

(عبدالرحیم ملتستانی)

جو لوگ حج کریں گے، وہ عرفہ کا روزہ نہیں رکھے گا۔

# فہرست

	جواہر پارے	نفلی روزے کا ثواب
	کلمہ طیبہ	نفلی روزے کی شرعی حیثیت
	اداریہ	
2		(حافظ احمد شاہ کر)
4	درس قرآن	تفسیر سورۃ ق..... (۲۷)
		(مولانا ارشاد الحق نثری)
8	درس حدیث	توفیق الباری
		(حافظ محمد اشرف سعید)
10	پند و نصائح	ہم نے ماہ رمضان سے کیا حاصل کیا؟
		(مولانا عبدالحکیم سیف)
13	تحقیق و تنقید	کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے؟
		(مولانا مختار احمد ندوی)
16	احوال آخرت	دوزخیوں اور جنتیوں کی کہانی، ان کی اپنی زبانی (۱)
		(عزیز زبیدی)
20	تحقیق و تنقید	خدا جس کو پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا!
		(مولانا محمد صادق سیالکوٹی)
23	مذہب باطلہ	قادیانی شبہات کا ازالہ..... (۳)
		(عطا محمد جنجوعہ)
28	حقیقت یا افسانہ	مسیح موعود عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام.....
		(لیاقت علی باجوہ)
29	احوال و وقائع	میں نے پاکستان بننے دیکھا
		(پروفیسر محمد حسین آزاد)
30	یاد رفتگان	مولانا محمد حسن بصری الہ آبادی
		(مولانا عثمانیت اللہ امین)
	شعر و ادب	آج بھی
		(ماہر القادری)

## اپنی اپنی ذمہ داری

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ کے ایک ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹے تو ان کو ڈراتے تاکہ وہ حذر کرتے۔“ (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو علم سیکھنا فرض ہے وہ دین کا علم ہے جس کا اس آیت میں واضح حکم ہے اور حصول علم کا مقصد بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ وہ اپنی قوم کو ڈر سناٹے یعنی اپنی قوم..... خاندان..... کو نافرمانی کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی تنبیہات سے آنے والے عذاب الہی سے ڈراتے۔

دین پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں شروع ہو گیا کتب احادیث میں اصحاب صفہ کا جو ذکر ہے واضح رہے کہ صفہ کے اس حصے کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اب تک نمایاں دکھایا گیا جسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ پہلی دینی درس گاہ تھی۔ اور یہ سلسلہ روئے زمین پر جہاں ایک بھی مسلمان آباد ہے اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

ہر مسلمان کے شعور یا الاشعور میں یہ بات ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانوں کی طرف انبیاء مبعوث کیے اور اپنے ان محبوب بندوں کے ذریعے انسانوں کے لیے کتب و صحائف نازل صرف اس لیے فرمائے کہ بندوں تک ہدایت بھی پہنچ جائے اور نافرمانیوں کے انجام کا ان کو علم بھی ہو جائے۔ پھر وہ اپنے دل و دماغ سے سوچ کر جو راستہ چاہیں منتخب کر لیں کہ انبیاء و کتب کا نزول اس ذات باری کی صفت رحمت کا مظہر ہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی احسن تقویم..... انسان..... جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائے۔ انبیاء، صلحاء اور علماء نے انسانوں کو راہ ہدایت کی راہ نمائی کے لیے دینی تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ جس سے ثابت ہوا فرض..... یعنی دینی..... علم کی غرض و غایت آخرت اور صرف آخرت ہوتی ہے۔ ہاں دیگر عقلی علوم منطق، فلسفہ، فلکیات، سائنس، طب، کمپیوٹر اور مختلف زبانیں انگلش، جرمن، فارسی و دیگر..... دنیاوی علوم..... سے روکا نہیں گیا بلکہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے علم کی بڑھوتی کی حوصلہ افزائی ہی کی گئی ہے۔ جیسے جنت کے گرد خاردار بارڈر کا تذکرہ آتا ہے یہی صورت حال دینی علم و تعلیم کی ہے جس میں آسائشیں، راحتیں، سہولتیں اور دنیاوی ترغیبات بہت کم ہوتی ہیں۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا و ہم لا یفتنون۔

”کیا گمان کیا ہے لوگوں نے یہ کہ چھوڑے جائیں اتنے ہی پر مونہہ سے کہہ لیں ایمان لائے ہم اور وہ نہ آزمائے جائیں۔“ [العنکبوت: ۲]

آج ان صفحات میں دینی تعلیم و تعلم کے مختلف پہلوؤں پر گزارشات پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

**منتظمین:** اہل مدارس عموماً خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع کر لیتے بلکہ کرتے رہتے ہیں کہ ان کی آمدن اخراجات سے ہمیشہ کم رہتی ہے۔ جس بنا پر وہ علماء و مدرسین کو اعزازیے اس قدر کم دیتے ہیں کہ اگر اس رقم سے انہیں اپنے اخراجات پورے کرنے پڑیں تو انہیں دن کو ہی تارے نظر آ جائیں۔ لہذا ان سے درخواست ہے کہ وہ علماء و مدرسین کے اعزازیوں میں روز افزوں مہنگائی کے مطابق مقرر کریں اور ممکن حد تک علماء و مدرسین کو غم روزگار سے بے نیاز کرنے کی اپنی سی کوشش میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کے ساتھ بلکہ اس سے زیادہ ضروری یہ بات کہ وہ ان علماء و مدرسین کو ملازم سمجھ کر ان سے ملازمانہ سلوک نہ کریں بلکہ ان کی عزت نفس کا خیال رکھیں، احترام کریں اور ان کے ساتھ وقار سے ہم کلام ہوں۔ اس سے منتظمین کی عزت میں اضافہ ہوگا، طلباء کے دل میں اساتذہ کا احترام بڑھے گا اور ادارے کے پورے ماحول پر خوش گوار اثر پڑے گا۔ طلباء میں جن بچوں کے والدین صاحب نصاب ہوں انہیں احساس دلائیں کہ آپ کا بچہ..... لوگوں کے میل کچیل..... صدقات و زکوٰۃ کا مستحق نہیں لہذا بچے کے قیام و طعام بلکہ تعلیمی اخراجات کھلے دل سے برداشت کریں۔ نیز طلباء کو لوگوں کے گھروں میں دعوتوں کے لیے بھیجنے سے گریز کریں کہ اس سے عزت نفس سے محروم ہونے بلکہ کالعدم ہو جانے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔

**علماء:** مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کم و بیش تیس سال کے قریب مختلف مقامات پر خطابت و تدریس کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے لیکن کسی بھی ادارے،

مسجد یا مدرسے کے منتظمین سے تنخواہ کے اضافے کا انہوں نے عمر بھر مطالبہ نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا ایک مستقل نکتہ نظر تھا کہ ہم..... یعنی علماء..... نے قوم کے صدقات و زکوٰۃ سے دینی علم حاصل کیا جس کو قوم تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اور ہماری..... یعنی علماء..... کی مکمل کفالت قوم کی ذمہ داری ہے۔ اگر قوم اپنی ذمہ داری ادا نہ کرے تو ہم..... علماء..... کو اللہ تعالیٰ نے دین کا جو علم اور اس کی سمجھ عطا کر رکھی ہے ہمیں وہ ذمہ داری صدق دل سے ادا کرتے رہنا چاہیے۔ قوم اپنی کوتاہی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگی۔ یہ نکتہ نظر عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علماء و مدرسین کو اپنے تلامذہ کے سامنے زمانے کی نا قدری، اپنی کم مائیگی اور محرومیوں کے تذکرے سے محتاط رہنا چاہیے اور طلباء کو من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین کے مختلف پہلوؤں سے ذہن سازی کرتے رہنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس کے نتائج مثبت، ثمر آور اور دیر پا ہوں گے۔

**طلباء:** عزیز طلباء کو چاہیے کہ وہ دینی تعلیم کا راستہ سوچ سمجھ کر اور اخلاص نیت کے ساتھ اختیار کریں کہ یہ راستہ جنت کی طرح کانٹوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں آرائش تو کجا آسائش دنیا کا امکان بھی بہت کم ہوتا ہے کیوں کہ اس راستے کی توفیق اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسی کو مرحمت فرماتا ہے جس کے ساتھ وہ بھلائی کا ارادہ فرمالتا ہے۔ اور یہ وہ راستہ ہے جس میں فرشتے آپ کے پاؤں تلے پر بچھاتے ہیں۔ دینی علم کے جن طلباء کو اللہ تعالیٰ حصول رضائے الہی کی نعمت سے نواز دے ان کی خوش نصیبی کا تو ٹھکانہ ہی کیا۔ نیز علم میں برکت اور..... دینی و اخروی..... نفع علم یعنی اساتذہ اور کتابوں کا احترام بھی بنیادی شرط ہے۔ اساتذہ کے احترام میں ان کے معروف احکام کی بجا آوری، ان کے سامنے مؤدب رہنا..... یعنی لباساً، قولاً، استاذ کے ارشادات دھیان سے سننا اور کسی بھی معاملہ میں ان کے ساتھ بحث کر کے سبقت لے جانے اور ان کی عیب جوئی سے گریز کرنا وغیرہ۔ کتاب کو ادب سے رکھنا، اس کو ڈھال بنانے اور ڈھانپنے کے استعمال سے گریز کرنا اور دیگر اہل علم کا احترام وغیرہ شامل ہیں۔

**والدین:** ہمارے معاشرے میں اکثر یہ ہوتا تھا کہ والدین کی نظر میں جو بچے ذرا کم صلاحیت کے حامل ہوتے تھے انہیں ہی دینی تعلیم کے لیے وقف کیا جاتا تھا۔ اب جب سے قانونی طور پر حفظ قرآن کے ۲۰ نمبر اضافی ملنے لگے ہیں تو اب حفظ قرآن کا ”شوق“ بھی عام ہونے لگا ہے اور مختلف سکولوں میں حفظ قرآن کا انتظام بھی کیا جانے لگا ہے لیکن اس قسم کے حفاظ کی دلچسپی عموماً حفظ مکمل کر کے سند لینے تک ہوتی ہے ترویج کی مشقت..... جو درحقیقت سعادت ہوتی ہے..... وہ نہیں اٹھاتے۔ لیکن حفظ قرآن کے بعد کھاتے پیتے گھرانوں کے باصلاحیت بچوں کو دینی تعلیم کے لیے وقف کر دینا بہت ہی کم خوش نصیبوں کے حصہ میں آتا ہے۔ اس لیے والدین سے خاص طور پر درخواست ہے کہ اپنے گھر کے سب سے باصلاحیت بچے کو رضائے الہی کی خاطر دینی تعلیم کے لیے وقف فرمائیں۔ ضروری نہیں وہ دینی علوم پڑھ کر دین ہی کو ذریعہ معاش بنائے بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ دینی تعلیم کو ذریعہ نجات بنائیں اور کھاتے پیتے گھرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچے کے تعلیم، رہائش اور خوراک کے اخراجات خود برداشت کریں تاکہ آپ کے بچے بلا استحقاق و اساخ الناس نہ کھائیں۔ نیز دینی علم سے بہرہ ور بچوں کا حق تو یہ ہے کہ انہیں دوسری اولاد پر ترجیح دی جائے اگر یہ نہ ہو سکے تو ان بچوں کو کم از کم دیگر بچوں کے برابر اور پورے برنس میں ان کو برابر کا شریک رکھیں اور ان بچوں کو چاہیے کہ وہ دین کی خدمت ضرور کریں لیکن کاروبار میں گھر والوں کے ساتھ مکمل عملاً شریک ہو کر اپنا اور دین کا وقار بحال رکھیں۔

**معاونین:** مدارس دینیہ کو عطیات عموماً زکوٰۃ کی مد سے دیئے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس نے لینا ہی ہے۔ لیکن عطیات دینے والے بعض حضرات کا مدارس کے عملے اور بعض مرتبہ علماء کے ساتھ رویہ با وقار نہیں رہتا۔ اسی طرح بعض مرتبہ مہتمم حضرات عطیات دینے والوں کے ساتھ اپنا رابطہ اور رویہ وقار کے منافی ہوتا ہے۔ کہنے والی بات شاید کبھی نہیں جاسکی مقصد صرف یہ ہے کہ ہر طبقہ اگر رضائے الہی کو ملحوظ رکھے تو پھر بہت سی انسانی کوتاہیوں سے خود بخود چشم پوشی ہو جاتی ہے۔

اس تحریر کی غرض صرف دینی مدارس کے طلباء و علماء کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ اس راستے میں کوئی کہکشاں نہیں، اس راستے میں اجر، جنت، روحانی آسائش تو ہے لیکن دنیاوی راحت اور اس کی آرائش کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں لیکن حسن نیت و عمل سے جو بہرہ ور ہو جائے وہ ان شاء اللہ اس فرمانِ الہی کا مصداق بن جائے گا۔ من کان یرید حوث الآخرة نزلہ فی حورثہ

# تفسیر سورۃ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

یہاں بھی اعمالِ صالحہ کے تناظر میں تجارت کا ذکر ہے۔ تجارت میں تاجر اپنا سرمایہ، اپنا وقت، اپنی صلاحیت صرف کرتا ہے تاکہ اسے نفع حاصل ہو اور اس کے سرمائے میں اضافہ ہو مگر اس کے باوجود بعض اوقات نفع کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اور دنیا میں ہر تجارت اسی نفع و نقصان کے مابین معلق ہوتی ہے۔ نفع کے ساتھ نقصان کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ لیکن اللہ کے ساتھ تجارت میں ﴿لَنْ تَبُورَ﴾ سے اشارہ ہے کہ اس تجارت میں نقصان کا ہرگز احتمال نہیں۔ اس کی کامیابی اور اس کے نفع کی پیشگی تمہیں مبارک ہو۔ یہ اللہ کا تمہارے ساتھ ایسا وعدہ ہے جو تورات، انجیل میں ہے اور قرآن پاک میں بھی، بھلا اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟

یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم ہے وہ اپنے دیئے ہوئے مال اور عطاء کی ہوئی صحت کو اس کی اطاعت میں صرف کرنے کو تجارت سے تعبیر کرتا ہے اور حوصلہ بڑھاتا ہے کہ میرے ساتھ تمہارا معاملہ نقصان کا نہیں بہر نوع نفع کا ہے۔ ورنہ بندہ و غلام کا اپنا کیا ہے یہ غلام ہے مزدور نہیں کہ مزدوری کا اجر طلب کرے بلکہ غلام ہے وہ بس یہ چاہتا ہے کہ مالک راضی ہو جائے اور اپنی رحمتوں کی برکھابرسائے۔

اللہ کا یہ یقیناً وعدہ ہے اسی لیے ایمان و عمل صالح کرنے والے امیدوار ہیں کہ ان کی تجارت کھوئی نہیں ہوگی۔ بعد کی آیت میں وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی امیدوں سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔

ایک مقام پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو تجارت اور خرید و فروخت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝ تُمْسُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (الصف: ۱۰، ۱۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمہاری ایسی تجارت کی طرف راہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔“

اسی طرح سورہ توبہ میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ قَدْ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَ ذَٰلِكُمْ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (التوبة: ۱۱)

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمہ پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو اپنے اس سودے پر

بیج و شرا میں مشغول رہنے کے باوجود کچھ ایسے ہیں جو میری یاد سے غافل نہیں رہتے، نماز وقت پر پڑھتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر بھی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ انہی کے عمل کا بہترین اجر ہے اور اللہ انہیں اپنے فضل سے مزید نوازے گا۔

﴿إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ بلاشبہ وہی بے حد بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے۔ ”غفور“ یہ ”غفر“ سے ہے جس کے معنی ہیں چھپانا، پردہ پوشی کرنا، ڈھانپ دینا۔ اسی سے محاورہ ہے ”اغفر ثوبك فـی الوعاء“ اپنے کپڑوں کو صندوق وغیرہ میں چھپا دو۔ ”مغفر“ لوہے کا خود۔ اللہ تعالیٰ ”غفور“ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپا دیتا ہے۔ جس طرح ہم گندی اور قابل نفرت چیز پر مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری آلودگیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں ان کی باز پرس نہیں کرتے بلکہ اپنے بندے کو شرمندگی سے بچانے کے لیے انہیں نشر بھی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یہ صفت غافر، الغفار اور الغفور کے الفاظ سے آئی ہے۔ الغفور میں غافر سے زیادہ مبالغہ ہے اور الغفار میں الغفور سے زیادہ مبالغہ ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافر ہیں کہ نامہ اعمال میں سیاہ کاریوں پر پردہ ڈال دیں گے، الغفور ہیں کہ گناہوں کو فرشتوں کی نگاہوں سے بھی چھپا دیں گے اور الغفار ہیں کہ اپنے بندوں کے دلوں سے بھی اس کی یاد بھلا دیں گے۔ بعض نے کہا ہے الغافر دنیا میں ہیں الغفور قبر میں ہیں اور الغفار میدانِ محشر میں۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک اور عجیب بات فرمائی ہے کہ جس طرح الغافر، الغفور، الغفار اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اسی طرح معصیت کی بنا پر گناہ گاروں کے تین نام ہیں:

۱: ظالم: جیسے فرمایا: ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ (فاطر: ۳۲) پھر ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے۔

۲: الظلوم: جیسے فرمایا: ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾

﴿لِيُؤْتِيَهُمْ أَجْرَهُمْ﴾ ان کی تجارت میں خسارہ نہیں ہوگا بلکہ انہیں پورا پورا اجر ملے گا۔ ایک عمل کا اجر کم سے کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا تک ہوگا۔ اور حسب حال انہیں پورا اجر ملے گا۔ عمل کا اجر ہی نہیں ﴿وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ﴾ بلکہ اپنے فضل و احسان سے اور بھی بہت کچھ نوازے گا۔ سات سو سے بھی زیادہ اجر و ثواب سے نوازے گا اور اپنے دیدار کا شرف بھی انہیں بخشے گا۔ جیسے فرمایا:

﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ (ق: ۳۵)

”ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اسی میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔“

اور یہ مزید جنت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اس حوالے سے ایک نظر اس پر بھی ڈالی جائے جو ہم اسی آیت کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔ اور اس اضافے میں وہ اعزاز و اکرام بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں گناہ گاروں کی سفارش کے لیے عطا فرمائے گا۔ ایمان و عمل صالح پر کاربند رہنے والوں کے لیے اسی اجر و فضل کا ذکر سورۃ النساء: ۱۷۳ میں بھی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿رَجُلٌ لَا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۚ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ يَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (النور: ۳۷، ۳۸)

”وہ مرد جنہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو انہوں نے کیا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“



پھر بھی کوئی نہ کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش و مغفرت جہاں معصیوں کے بارے میں ہے، وہاں قبولیت اعمال میں بھی ہے۔

﴿اِنَّهُ غَفُوْرٌ﴾ میں یہ بات بھی پیش نگاہ رہنی چاہیے کہ ”بے شک وہی بے حد بخشنے والا ہے۔“ تمام اوامر و نواہی، من جانب اللہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و نواہی بھی درحقیقت من جانب اللہ ہیں۔ اس لیے ان کی نافرمانی یا کوتاہی میں انسان اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے۔ اس لیے بخشنے اور معاف کرنے والا بھی وہی ہے۔ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا عِبَادِيَ اِنِّىْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (الحجر: ۴۹)

”میرے بندوں کو خبر دے دے کہ بے شک میں ہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو دعائیں سکھائی اس کے الفاظ یہ ہیں:

اللهم انى ظلمت نفسى ظلماً كثيراً ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفر لى مغفرة من عندك وارحمنى انك انت الغفور الرحيم .

(بخاری: ۸۳۴)

”اے اللہ، بے شک میں نے ظلم کیے اپنی جان پر بہت زیادہ اور نہیں کوئی بخشنے والا گناہوں کا تیرے سوا، پس مجھے بخش دے خاص اپنی طرف سے اور مجھ پر رحم کر۔ بے شک تو ہی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“

گویا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کا معاملہ ہے۔ بندہ خواہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو تنہائی میں دو آنسو بہا کر صدق دل سے معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں بلکہ معاف کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔

مگر عیسائیت میں بخشش گناہ کے لیے چرچ میں گناہ گار پوپ پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور وہ اسے بخشش کا

(الاحزاب: ۷۲) بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت ظالم، بہت جاہل ہے۔

۳: الظلام: جیسے فرمایا: ﴿قُلْ لِّعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ (الزمر: ۵۳) کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ جو معصیت میں اسراف کرتا ہے وہ ظلام ہے۔

گو اشارہ ہے کہ اگر تم ظالم ہو تو میں غافر ہوں، تم اگر ظالم ہو تو میں غفور ہوں، تم اگر غفار ہوں، پھر انسان کی صفت تو تنہا ہی ہے۔ ایک نہ ایک دن اسے ختم ہونا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی صفت لامتناہی ہے وہ ہمیشہ سے ان صفات سے متصف ہے اور رہے گا۔ اس نے فرمایا:

﴿اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ (نوح: ۱۰)

”اپنے رب سے معافی مانگ لو، وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے۔“

یوں نہیں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ غَفَّارًا﴾ بلکہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ کہ وہ ازل سے ابد تک، ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بخشش و مغفرت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ احادیث میں ہے کہ مومن کو ایک کاٹا بھی چبھے تو اس کی کوئی غلطی معاف کر دی جائے گی، بیمار ہو، کوئی نقصان ہو یا کوئی پریشانی آئی تو یہ سب خطاؤں کی معافی کا باعث بنیں گی۔ آخر میں اگر پھر بھی کچھ بچ گیا تو اس کی وفاداریوں کی بنا پر اسے معاف کر دیا جائے گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ نامہ اعمال ہی سے انہیں صاف کر دیا جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلا کے معافی کا اعلان کر دے اور اسے رسوائی سے بچانے کے لیے باز پرس نہ کرے کہ تم دنیا میں یہ اور یہ کرتے رہے ہو۔ اطاعت گزاروں کی خطاؤں کو ہی نہیں ان کے اعمالِ حسنہ میں کمی کوتاہی ہوگی تب بھی ان پر پردہ پوشی فرما کے بخش دے گا۔ بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کوتاہیوں سے درگزر نہ فرمائے اس کی کوئی نیکی قبول ہی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ انسان کتنا ہی اخلاص کا اہتمام کر لے



تب بھی پردہ پوشی فرما کے بخش دیتا ہے۔ وہ ایک ایک غلطی پر مواخذہ نہیں فرمائے گا بلکہ نیکیاں زیادہ ہوں گی تو معاف فرما دے گا۔ وہ ”غفور“ کے ساتھ ”شکور“ بھی ہے کہ وہ معمولی نیکی کو اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود، نظر انداز نہیں کرے گا۔ اس نے تو کتے کو پانی پلانے والی عورت کو بخش دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ انسانوں سے بہر حال بلند تر ہے۔



## ضرورت ہے

۱: ایک دینی ادارے کو نائب منبر کے امور سرانجام دینے کے لیے ایک متشرع، محنتی اور اہل حدیث مسلک سے وابستہ کسی محکمے سے ریٹائرڈ آدمی کی ضرورت ہے۔

ضرورت مند احباب اپنے ہاتھ سے درخواست لکھ کر درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔ جواب کے لیے اپنا پتا صاف اور واضح لکھیں۔

(C/o دفتر ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور)

۲: ایک علمی و تحقیقی ادارے کی لائبریری میں بطور نائب لائبریرین خدمات انجام دینے والے محنتی، متشرع اور مسلک اہل حدیث سے وابستہ آدمی کی فوری ضرورت ہے۔ اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی درخواست کے ساتھ رابطہ کریں۔

جوابی لفافہ ہمراہ ارسال کریں۔

(دارالدعوة السلفیہ، 31 شیش محل روڈ، لاہور)



پروانہ دیتا ہے۔ یہ عقیدہ و فکر جہاں توحید کے منافی ہے وہاں انسان کی تذلیل کا بھی باعث ہے۔ جب کہ اسلام گناہ گار کو کسی دوسرے انسان کے سامنے گناہ کے اعتراف کا پابند نہیں کرتا بلکہ وہ اسے آقا و غلام کا معاملہ قرار دیتا ہے اور کسی بھی انسان کے سامنے شرمندہ ہونے کی بجائے تنہائیوں میں کسی وقت اپنے آقا کے سامنے ندامت و توبہ کا اقرار کرتا ہے۔ تو اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

﴿شُكُورٌ﴾ یہ ”شکر“ سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام کرنا اور ان کی معمولی عبادت گزاری پر وافر جزا دینا مراد ہے۔ ہم روزمرہ کے معاملات میں اپنے محسنین کے لیے شکریہ کا لفظ بولتے ہیں وہ بھی اسی ”شکر“ سے ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے شکر یہ اللہ کی قدر افزائی اور قدر دانی مراد ہے۔ جب کسی مالک کا خادم یا ملازم مالک کی دی ہوئی ذمہ داریوں سے بڑھ کر اطاعت بجا لاتا ہے اور مالک کے مفادات کا تحفظ دل و جان سے کرتا ہے تو مالک کے دل میں اپنے ملازم کی قدر بڑھے گی اور وہ دل ہی دل میں اس کا قدر دان ہوگا یہی مالک کا شکر ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو بہت ہی قدر دان ہیں وہ اپنے بندے کے معمولی عمل کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے، یہ اس کی قدر دانی ہی تو ہے کہ زندگی کے چند دنوں میں کی ہوئی نیکی پر ہمیشہ کے لیے جنت کی نعمتوں سے نواز دیتے ہیں۔ بلکہ انسان ستر سال تک کفر و شرک میں مبتلا رہے پھر دولت ایمان میسر آجائے تو اس پر بھی جنت سرمدی کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ انسان کا عمل ریا اور معصیتوں سے ملا ہوا ہوتا ہے (الا ماشاء اللہ) مگر اللہ تعالیٰ اسے خالص اجر و ثواب سے نوازتے ہیں جس میں جفا و کدورت کا کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

آیت میں اطاعت گزاروں کے بارے میں اجر و ثواب دینے بلکہ ان کے اعمال کے تناسب سے زیادہ نوازشوں کے نوازنے کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے فرمایا: ﴿إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ کہ وہ اپنے ان اطاعت گزاروں کی خطاؤں کو بخشنے والا ہے۔ اعمال میں کوتاہی ہوگی

# توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکول شالامار باغ۔ لاہور)

گھٹنوں کے بل با ادب ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے اے امیر المؤمنین رحمہ اللہ ان لوگوں نے میرے ان الفاظ کو ناپسند کیا ہے آپ اس بات کو ان لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ الفاظ میں حضرت ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے کہا کرتا تھا لیکن ان میں سے کسی نے ان الفاظ پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے اس آدمی کو جس نے یہ گفتگو کی تھی کہا ٹھہر جاؤ۔ کہا انہوں نے وہی کیا ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں۔ لیکن اہل شام میں جب فتنہ رونما ہوا وہ کہنے لگے ہم اپنے خلیفہ کو اتنا مختصر سلام نہیں کرنے دیں گے ان کا خیال تھا کہ اہل مدینہ عامل صدقات کو بھی ایسا الامیر کہتے ہیں۔ یعنی اب خلیفۃ المسلمین کہنا چاہیے۔“

۱۰۵۷. عن جابر قال: دخلتُ على الحجاج فما سلمتُ عليه. (إسناده صحيح)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حجاج کے پاس آیا میں نے اس کو سلام نہیں کیا تھا۔“

**فائدہ:** پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فاسق کا سلام نہ لیا اور یہ عدم تسلیم ہے فاسق پر۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر فاسق کو سلام نہ کرے یا اس کے سلام کا جواب نہ دے تو گویا تبع سلف صالحین ہے اور اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

۱۰۵۸. عن تميم بن حذلم قال: إنني لأذكرُ أوَّلَ مَنْ سَلَّمَ عليه بالإمرة بالكوفة، خرجَ

۱۰۵۶. عن عُبَيْدِ اللَّهِ ابنِ عَبْدِ اللَّهِ قال: قَدِمَ معاويةُ حَاجًّا حَجَّتُهُ الْأَوَّلَى وهو خليفَةُ، فدخلَ عليه عثمانُ بنُ حُنَيْفٍ الأنصاري فقال: السَّلَامُ عليك أَيُّهَا الْأَمِيرُ ورحمةُ اللَّهِ فَأَنكَرَهَا أَهْلُ الشَّامِ، وقالوا: مَنْ هَذَا الْمَنَافِقُ الَّذِي يُقَصِّرُ بِتَحِيَّةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ؟ فَبَرَكَ عثمانُ على ركبته ثُمَّ قال: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ هَؤُلَاءِ أَنْكَرُوا عَلَيَّ أَمْرًا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنْهُمْ، فَوَلَّاهُ لَقَدْ حَيَّتُ بِهَا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، فَمَا أَنْكَرَهُ مِنْهُمْ أَحَدٌ، فَقَالَ معاويةُ لِمَنْ تَكَلَّمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ: على رِسْلِكُمْ، فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ بَعْضُ مَا يَقُولُ، وَلَكِنَّ أَهْلَ الشَّامِ لَمَّا حَدَّثَتْ هَذِهِ الْفِتْنُ قَالُوا: لَا تُقَصِّرُ عِنْدَنَا تَحِيَّةَ خَلِيفَتِنَا، فَإِنِّي أَخَالِكُمْ يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ تَقُولُونَ لِعَامِلِ الصَّدَقَةِ: أَيُّهَا الْأَمِيرُ. (صحيح الإسناد)

”حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں پہلا حج کرنے کے لیے تشریف لائے تو ان کے پاس حضرت عثمان بن حنیف انصاری آئے اور کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمة اللہ اہل شام نے ان الفاظ کو ناپسند کیا اور کہا یہ کون منافق ہے جس نے امیر المؤمنین کے سامنے سلام میں کمی کی ہے؟ تو یہ سن کر عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ اپنے

المغيرة بن شعبة من باب الرحبة، فجاءه رجل من كندة زعموا أنه أبو قرة الكندي - فسلم عليه فقال: السلام عليك أيها الأمير ورحمة الله، السلام عليكم، فكرهه، فقال: السلام عليكم أيها الأمير ورحمة الله، السلام عليكم، هل أنا إلا منهم أم لا؟ قال سمالك: ثم أقر بها بعد. (صحيح الإسناد)

”تميم بن حذيم نے بیان کیا کہ مجھے یاد ہے سب سے پہلے جس امیر کو فد کو امیر کے لفظ سے سلام کیا گیا وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ وہاں کے گورنر تھے۔ جب وہ باب الرحبہ سے باہر نکلے ان کے پاس ایک آدمی علاقہ سے آیا لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابو قرة کندی تھا اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح سلام کیا اور کہا السلام علیک ایہا الامیر ورحمة الله حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس سلام کو ناپسند کیا اس نے پھر کہا السلام علیکم ایہا الامیر ورحمة الله پھر کہا امیر سے میری مراد امیر المؤمنین ہیں۔ آپ بتائیے کیا میں مؤمنین میں سے ہوں یا نہیں؟ سمالک راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سلام کو مان لیا اور اس کا اقرار کیا۔“

۱۰۵۹ . عن زياد بن عبيد [الرعي] بطن من حمير قال: دخلنا على ربيعة وكان أميراً على أنطابلس فجاء رجلٌ فسلم عليه [فقال: السلام على الأمير]، وعن عبدة فقال: السلام عليك أيها الأمير، فقال له ربيعة: لو سلمت علينا لرددنا عليك السلام، ولكن إنما سلمت على مسلمة بن مخلد - وكان مسلمة على مصر - اذهب إليه فليرد عليك السلام. قال زياد: وكنا إذا جئنا فسلمنا وهو في المجلس قلنا:

السلام عليكم. (ضعيف الإسناد)

”زیاد بن حمیر (جن کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا) بیان کرتے ہیں کہ ہم ربیعہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ ان دنوں انطابلس کے امیر تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے ان کو اس طرح سلام کیا السلام علی الامیر راوی کہتے ہیں ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اگر تو ہم کو سلام کرتا تو ہم تیرے سلام کا جواب دیتے تو نے تو مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ (حاکم مصر) کو سلام کیا ہے۔ اب انہی کے پاس جا، وہی تیرے سلام کا جواب دیں گے۔ زیاد کہتے ہیں اس وقت سے جب کبھی ہم آتے وہ مجلس میں بیٹھے ہوتے تو ہم اس طرح سلام کرتے۔ السلام علیکم کہتے۔“

باب: التسليم على النائم

سوئے ہوئے کو سلام کرنا

۱۰۶۰ . عن المقداد بن الأسود قال: كان النبي ﷺ يجيء من الليل فيسلم تسليمًا لا يُوقظ نائمًا، ويُسمع اليقظان. (صحيح)

”حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب گھر میں تشریف لاتے، تو اس طرح سے سلام کرتے کہ سونے والا بیدار نہ ہو جائے۔ صرف جاگنے والا ہی سن سکے۔“

باب: حياك الله

کسی کو کہنا اللہ تمہیں زندہ رکھے

۱۰۶۱ . عن الشعبي، أن عمر قال لعدي بن حاتم: حياك الله من معرفة. (ضعيف)

”حضرت شعبي رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدي بن حاتم رضی اللہ عنہ کو پہچان کر کہا اللہ تعالیٰ تجھے زندہ رکھے۔“



## ہم نے ماہِ رمضان سے کیا حاصل کیا؟

مولانا عبدالحکیم سیف (دارالحدیث محمدیہ کوٹ رادھا کشن، قصور)

کی جلا کا ذریعہ بنایا۔ اللہ کی مغفرت و بخشش کے خزانوں کو جسے جو چاہے حاصل کر سکتا تھا، خوب جی بھر کر لوٹا۔ ربانی لطف و کرم کے اس خاص موسم اور اہم موقع سے فیض یاب ہونے میں پیش پیش رہا۔ وہ اللہ کا بن گیا اور اللہ کو اپنا بنا لیا۔ یہاں تک کہ اس کے ایمانی نور کی آب و تاب سے دیکھنے والوں کی نظریں خیرہ ہونے لگیں۔ اگر وہ پہلے اندھیرے میں تھا تو اب ایسے راستے پر گامزن ہو گیا جس میں ہدایت کی قدیلوں اور مشعلوں کی نہ ختم ہونے والی روشنیاں فضاؤں کو پوری طرح چمکا اور دمکا رہی تھیں۔ وہ اپنی منزل کو صاف اور واضح دیکھنے لگا۔

اب ہمیں غور کرنا ہے کہ ماہِ رمضان کے وہ کیا اسباق ہیں جو اسی ماہ کا حاصل ہیں۔ ان کا اختیار کرنا ماہِ رمضان کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے اور ان سے لا پرواہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ماہِ رمضان سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا اس سے کچھ سیکھا نہیں گیا۔

⑤ ماہِ رمضان اور روزہ لازم و ملزوم ہیں۔ روزہ کے بغیر اس ماہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم نے روزہ کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ بتایا ہے کہ اس سے اوامر الہی کی اطاعت اور نواہی سے رک جانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں روزہ کی اس روح کا تذکرہ فرمایا ہے:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ. (مشکوٰۃ)

”جو شخص روزہ کی حالت میں جھوٹ اور غلط کاریوں سے اجتناب نہیں کرتا اللہ کو اس کے کھانے پینے چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

رمضان مقدس کا ماہ مبارک آیا اور گزر گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کا تقرر کس لیے ہے؟ ہم نے اس سے کیا حاصل کیا؟ ہم اس پہلو پر غور کریں اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتے ہوئے اس ماہ مقدس کی فراموش کردہ حقیقی روح کو سمجھیں اور اس کے اس جوہر فیض و فلاح کو اپنائیں جس میں ہمارے دین و دنیا کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

ان لوگوں کی بات نہیں جن کو نہ تو ماہِ رمضان کی آمد سے دلچسپی ہے اور نہ اس کے اختتام کا خیال۔ کتنے غافل، بدست اور بد قسمت لوگ ہیں کہ خدائی رحمت و برکات کا مہینا آتا اور چلا جاتا ہے اور یہ ہیں کہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ نام کے ان مسلمانوں سے قطع نظر یہاں ان بھائیوں کا تذکرہ مقصود ہے جو ماہِ رمضان المبارک کی آمد پر مسجدوں کی آبادی میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں، اس کی رونق بڑھاتے ہیں، تراویح پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، نماز کی پابندی کرنے لگتے ہیں۔ مگر ادھر ماہِ رمضان گیا، عید الفطر کی نماز ادا کی اور ادھر یہ تمام فکروں سے آزاد ہو گئے۔ ہر قسم کی عبادت اور اطاعت خداوندی سے انہیں چھوٹ مل گئی۔ گویا وہ ماہِ رمضان ایک میلہ تھا جو ختم ہو گیا، ایک رسم تھی جو ادا کر دی گئی، ایک روایت تھی جسے انجام دے دیا گیا۔ ماہِ رمضان کے اعلیٰ مقاصد سے یہ انماض اور غفلت ناقابل معافی بھی ہے اور ماہِ رمضان کی حقیقی روح سے لا پرواہی بھی۔ البتہ کچھ لوگ ہیں جو خدا کی بے پایاں رحمت کے اس سیل رواں سے اپنا وافر حصہ حاصل کرتے اور پاتے رہے۔ بڑے ہی مبارک و خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو فلاح و خیر کے اس چشمہ صافی سے اپنی روحانی پیاس کو بجھاتے اور تسکین دیتے رہے۔ انہوں نے اسے اپنے ایمان

لا يَحْرُمُ خَيْرَ مَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُومٍ . (مشکوٰۃ)  
”ماہِ رمضان کی خیر و برکات سے بڑا بد نصیب و بد بخت ہی محروم رہتا ہے۔“

⑤ اصل میں ماہِ رمضان کے ایام، عرصہ تربیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص ان ایام تربیت میں بھی حصولِ ٹریننگ میں کوتاہی کرے تو اس کے مفید نتائج سے کیوں کر بہرہ ور ہو سکتا ہے؟ ہوتا یوں ہے کہ ماہِ رمضان المبارک اپنی پوری رحمتوں، برکتوں اور بھلائیوں سمیت جلوہ گر ہوتا ہے مگر عوام و خواص سمیت سب لوگ اس کی ان خیر و برکات سے کم و بیش محروم رہتے ہیں۔ کیوں کہ اگر ایک طرف حکام جن کی بحیثیت مسلمان ذمہ داری ہے کہ نہ صرف خود شعائرِ اسلام کی پابندی کریں بلکہ عوام میں بھی اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ وہ حکام اپنے فرائض سے مجرمانہ غفلت برتتے ہیں تو دوسری طرف عوام الناس بھی اپنی لگی بندھی مادی ڈگر پر چلتے ہوئے ان ایام کو ضائع کر دیتے ہیں۔

⑥ ربّ دو عالم نے اپنی خاص حکمت پر نظامِ عالم کو استوار فرمایا اور جس طرح عالمِ جسمانی کی نشوونما اور لذت و ارتقاء کے لیے گونا گوں سامان پیدا فرماتا ہے بالکل اسی طرح روحانیت کی نشوونما اور ارتقاء کے لیے لاتعداد وسائل پیدا فرمائے جن میں اہم ترین ماہِ رمضان المبارک ہے۔ اگر ایک طرف بہار کی رنگینیوں سے خواص ظاہری کو محظوظ فرمایا تو دوسری طرف ماہِ رمضان بھی روحانی عالم کا موسمِ بہار ہے جس میں قلب و نظر کی طہانیت و سکون کا بے شمار سامان رکھا گیا۔ یہ خدا کے خاص لطف و کرم اور بے پایاں انعام و احسان کا عظیم مظہر ہے جو غفران و نجات کا وسیلہ، معاصی اور خطایا سے پاکی کا ذریعہ ہے۔ یہ انسانی شرافت و نجابت اور اس کے حقیقی شرف و منزلت کی تکمیل کا باعث ہے۔ یہ ماہِ رنگ آلود قلب و نظر کو صیقل کرنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس کا تقرر اسی لیے تو عمل میں آیا کہ ہر قسم کے گناہوں کی ظلمت و تاریکی کو ایمانی نور و ضیاء سے بدل دیا جائے اور ایک مومن کا ظاہر و باطن یوں چمکنے اور دکنے لگے کہ اس پر فرشتے

گویا یہ روزہ نہ ہوا محض بھوکا پیاسا رہنا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمْأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ . (مشکوٰۃ)  
”بہت سے روزہ دار ہیں جن کو سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیدار ہیں جنہیں سوائے بیداری کے کچھ نہیں ملتا۔“

خدائی احکام و ممانعات کا پوری طرح خیال بھی اصل دین ہے اور اس کی پہلی سیڑھی فرائضِ خداوندی کی نگہداشت ہے۔ اور فرائض میں نماز، روزہ کو سب سے اہم حیثیت حاصل ہے۔ اب اگر ایک شخص ماہِ رمضان میں روزہ رکھتا ہے مگر نماز کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے یا ماہِ رمضان میں نماز روزہ کی پابندی کرتا ہے مگر ماہِ رمضان جانے کی دیر ہے کہ وہ نماز جیسی اہم عبادت سے بھی قطعی غافل ہو جاتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس نے ماہِ رمضان سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ ان اہم احکامِ خداوندی سے لاپرواہی کر کے دراصل دینِ اسلام سے روگردانی کرتا ہے۔

⑦ مقامِ غور ہے کہ روزہ کی حالت میں ان اشیاء سے رکنا اور پرہیز کرنا پڑتا ہے جو حلال بھی ہیں اور پاکیزہ بھی۔ صرف اس لیے کہ یہ حکمِ خداوندی ہے اور بندے کا کام ہے کہ اپنے ربّ اعلیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اب اگر ایک شخص رمضان کے اس عرصہ تربیت کے گزرنے کے بعد تمام فواحش و منکرات اور ہر قسم کے فضول و حرام کاموں کے ارتکاب میں حجاب محسوس نہ کرے تو کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ماہِ رمضان سے کچھ حاصل کیا۔ حلال و حرام کا امتیاز، جائز و ناجائز میں تفریق اور پاک و ناپاک میں تمیز کرنا ہی وہ درسِ رمضان ہے جسے جس نے اختیار کیا اس نے ماہِ رمضان کی روح کو سمجھ لیا اور وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسے فراموش کر دیا اس کے حصے میں بد بختی اور بے نصیبی کے سوا کچھ نہ آیا جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

پر اسی بھوک پیاس سے سارا سارا سال دوچار رہتے ہیں۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ ان کی مصیبت میں کام آؤ، ان کے ساتھ تعاون کرو اسی طرح کہ ان کے روگ دور ہوں اور تم ایک کنبے کی طرح معاشرہ کی فلاح و بہبود میں مشترکہ مساعی کو اختیار کر سکو۔ رحمت دو عالم ﷺ نے اس اخوت اسلامی کی تربیت بایں الفاظ دی:

”اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے سے جھگڑنے لگے تو کہہ دو بھائی میں روزہ دار ہوں اور لڑائی جھگڑے کے ارتکاب سے اپنے روزہ کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔“

اگر ماہ رمضان کے ان اسباق کو پیش نظر رکھا جائے تو آج کے باہمی جنگ و جدال آپس کی محاذ آرائی، بھائی بھائی کے مناقشات و تنازعات، کیوں کر باقی اور جاری رہ سکتے ہیں۔ کیا ہم روزے کے ان فوائد و ثمرات سے بہرہ ور ہوئے؟



رشتہ کرنے لگیں۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ایک زنگ آلود لوہا تو صیقل کیے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک اپنی چمک برقرار رکھتا ہے۔ ایک قلعی شدہ برتن تو عرصہ تک صاف و شفاف دکھائی دے سکتا ہے۔ ایک روغن شدہ چیز تو کافی دنوں تک اپنی آب و تاب برقرار رکھتی ہے۔ مگر برائے نام روزہ داروں اور رمضان نمازیوں کی عبادت کی بے تاثیر کا یہ عالم ہے کہ ماہ رمضان کے ختم ہوتے اور ماہ شوال کے چاند کے طلوع ہوتے ہی ان کی ساری ایمانی چمک و دمک ماند پڑ کر رہ جاتی ہے۔ یہ سب ماہ رمضان میں دی جانے والی تربیت کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

○ ماہ رمضان المبارک اسلامی اخوت و مساوات کا مظہر ہے جو مسلمانوں کو باہمی ہمدردی، مروت اور بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ امیروں، غریبوں سے شفقت و ہمدردی کے جذبات بیدار کرتا ہے، انہیں تعلیم دیتا ہے کہ جس بھوک پیاس سے تم کو بہ حالت روزہ واسطہ پڑ رہا ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو اپنی کم مائیگی اور مالی کمزوری کی بنا

### ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر کو صدمہ

پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر صاحب (پنجاب یونیورسٹی) لاہور کے چھوٹے بیٹے ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ بعارضہ گردہ وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بیٹا کلاس نویں کا طالب علم تھا۔ اچانک پسیلیوں میں درد شروع ہوا تو معالج کے پاس لے جایا گیا۔ بعد ازاں پتا یہ چلا کہ ایک گردہ ختم ہو چکا ہے۔ بس آنا فنا اپنے اللہ کے حضور پیش ہو گیا۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کریم صبر جمیل سے نوازیں اور معصوم کی مغفرت تادمہ فرمائیں اور دیگر پس ماندگان کو بھی صبر عطا کریں۔ ادارہ الاعتصام اس جواں سال بیٹے کی وفات پر ڈاکٹر صاحب سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ (ادارہ)

### اعلان

حافظ نعیم حفیظ بن محمد حفیظ نامی طالب علم کا مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) میں داخلہ منظور ہو چکا ہے۔ موصوف اپنے کاغذات کے ہمراہ فوراً مرکزی دفتر ۱۰۶- راوی روڈ لاہور رابطہ کرے۔ (حافظ عثمان المدنی، ۱۰۶- راوی روڈ، لاہور)

### درخواست دعائے صحت

مفسر قرآن کریم محترم حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ بعض عوارض کے باعث علیل ہیں۔ نقاہت کے باعث عام چلنے پھرنے سے قاصر ہیں۔ احباب موصوف کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لیے خصوصی دعائے صحت فرمائیں۔ اللہم اشفہ شفاءً کاملًا عاجلاً۔ (ادارہ)



## کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

پڑھیں تو اس عبادت اور بندگی رب تعالیٰ سے روئے زمین میں فساد اور آسمان وزمین میں کہرام مچ جائے گا، کیا خدا نخواستہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر نہیں؟ یہاں رحمت کے فرشتے حاضر نہیں ہوتے؟ یہاں حاضر ہونے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور رحمت نازل نہیں ہوتی؟ کیا یہ مساجد روئے زمین کا سب سے بہتر اور مبارک حصہ نہیں؟ کیا یہاں آ کر رکوع و سجود، توبہ و استغفار، دعا اور مناجات نہیں کی جاتی؟ آخر مسجدوں میں عورتوں کی حاضری کے خلاف اتنا ہنگامہ کیوں ہے؟ سارے عالم اسلام میں مردوں کے ساتھ مسلمان عورتیں باجماعت نماز صدیوں سے پڑھتی آرہی ہیں، مسجد الحرام مکہ، مسجد نبوی ﷺ مدینہ شریف اور مسجد اقصیٰ جیسی مقدس اور عالمی مساجد میں ساری دنیا کی مسلم خواتین ابتدائے اسلام سے باجماعت نماز ادا کر رہی ہیں، نہ کہیں کوئی فتنہ اٹھا، نہ صدائے احتجاج بلند ہوئی، لیکن اگر ہندوستان کی کسی مسجد میں عورتیں زنانے مصلیٰ میں مردوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں تو اسے فتنہ اور اسلام کے خلاف ایک عالمی سازش قرار دیا جائے، اور عورتوں کی جماعت سے اسلام خطرے میں پڑ جائے، کس قدر تنگ نظری اور حقائق سے انحراف ہے۔

فجر کی نماز میں عورتوں کی حاضری کا ثبوت:

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کن نساء المؤمنات يشهدن مع النبي ﷺ صلاة الفجر متلفعات بمروطهن، ثم ينقلبن الى بيوتهن حين يقضين الصلاة لا يعرفن من الغلس،

(اخرجه الشيخان وغيرهما)

”مومن عورتیں فجر کی نماز میں نبی ﷺ کے ساتھ جماعت

آج کل ایک مجلس کی تین طلاقیں کی طرح مسلمان خواتین کی مسجد میں حاضری اور مردوں کے ساتھ ان کی باجماعت نماز ادا کرنے کے مسئلے کو قومی پریس نے موضوع بحث بنا دیا ہے جس کے خلاف بعض مذہبی طبقوں میں واویلا مچایا جا رہا ہے اور اسے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کا سبب بتایا جا رہا ہے اور ہر طرف سے اس مسئلے پر زبان کھولنے والوں کے منہ پر ہاتھ رکھا جا رہا ہے کہ چپ رہو، کچھ نہ کہو، آخر لوگ اسلام اور مسلمان عورتوں کے بارے میں کیا کہیں گے، مسلمانوں کی بڑی رسوائی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان تمام خیر خواہوں، اور عزت اسلام اور غیرت دین کی دہائی دینے والے اپنے سادہ لوح اور مخلص دوستوں اور قابل احترام بزرگوں سے عرض کریں گے کہ کیا الیکشن کے زمانے میں بے پردہ مسلم خواتین کی اپنے حلقے میں پدیا ترقی نہیں؟ مسلمان خواتین مسلم ممالک کی صدر اور وزیراعظم بن کر پوری دنیا کی سیر کریں اور بڑے بڑے پبلک جلسوں کو خطاب کریں تو فتنہ نہیں؟ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں لیکچرار اور پرنسپل بنی، ہزاروں نوجوان طلباء اور اساتذہ اور سرکاری افسران کے ساتھ اختلاط رکھیں تو فتنہ نہیں؟ تھیٹر اور سنیما گھروں میں تنگی فلمیں دیکھنے جائیں تو فتنہ نہیں؟ دفاتر اور کارخانوں میں سینکڑوں مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں تو فتنہ نہیں؟ دن و رات سودا سلف لینے اور مارکیٹنگ کے لیے جائیں تو فتنہ نہیں؟ ریلوں اور بسوں میں مردوں کے ساتھ دھکم دھکا سوار ہو کر سفر کریں تو کوئی فتنہ نہیں؟ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک و صاف با وضو ہو کر پردے کے ساتھ نہایت محفوظ اور مقدس و متبرک جگہ مسجدوں میں عورتوں کے لیے مخصوص جائے نماز میں سینکڑوں عورتوں کے ساتھ باجماعت نماز



میں حاضر ہوا کرتی تھیں، وہ اپنی چادروں میں لپٹی رہتی تھیں پھر نماز کے بعد وہ اپنے گھروں کو اس طرح اندھیروں میں واپس ہوتی تھیں کہ کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا۔“  
نماز کے بعد عورتیں مسجد سے پہلے نکلتی تھیں:

عہد نبوی ﷺ میں عورتیں نماز کے بعد جب مسجد سے باہر نکلتیں تو مرد، ان کے نکل جانے تک مسجد میں انتظار کرتے چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ اذا سلم مكث قليلا وكانوا يرون ان ذلك كيما ينفذ النساء قبل الرجال .

”نبی ﷺ مسجد میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہتے تاکہ عورتیں مسجد سے باطمینان باہر نکل جائیں۔“ (بخاری، ابو داؤد) بچے والی عورتوں کی خاطر نماز میں خاص رعایت:

عن انس رضى الله عنه ان النبى ﷺ قال إن لأدخل فى الصلاة وأنا أريد اطالتها فأسمع بكاء الصبى وأنا فى الصلاة فأخفف مخافة أن تفتنن امه . (متفق عليه)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز شروع کرتا ہوں اور اس کو لمبی پڑھنا چاہتا ہوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کو تکلیف اور بے چینی ہوگی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوا کرتی تھیں اور ان کے ساتھ بچے بھی ہوا کرتے تھے۔

عیدین کی نماز میں عورتوں کی حاضری:

عیدین کی نماز میں بھی مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں پردے میں رہ کر نماز پڑھا کرتی اور خطبہ عید سنا کرتی تھیں اور اس کے لیے

آنحضرت ﷺ حکم فرماتے تھے۔

عن ام عطية قالت: أمرنا رسول الله ﷺ ان نخرجهن فى الفطر والأضحى العواتق والحیض وذوات الخدود فاما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين . (متفق عليه)

”حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ پردہ نشین عورتیں اور بالغہ عورتیں عید گاہ میں حاضر ہوں حائضہ عورتیں جماعت اور دعا میں شریک رہیں البتہ نماز میں الگ رہیں (کیونکہ وہ فطرًا معذور ہیں۔)“  
آنحضرت ﷺ عید کی نماز میں عورتوں کو خاص طور پر صدقہ کا حکم فرماتے تھے اور عورتیں اپنے زیورات تک صدقے میں دیا کرتی تھیں۔ (متفق علیہ)

ان تمام احادیث سے عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا مسنون ثابت ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں کچھ ایسی احادیث بھی ہیں جن سے اشارہ ملتا ہے کہ عورتوں کے لیے مسجدوں کے مقابلے میں اپنے گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل اور مناسب ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان فرمانا کہ اگر آنحضرت ﷺ آج عورتوں کی حالت دیکھ لیتے تو انہیں مساجد میں آنے سے منع فرما دیتے، یہ دراصل ان کا اشارہ عورتوں کے گھر سے باہر چہل پہل کی طرف تھا، اس قسم کی احادیث سے وہ حضرات جو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع کرتے ہیں اور یہ استدلال کرتے ہیں عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کا آزادانہ گھر سے باہر نکلنا اور ان میں تہرج اور آزادی کا پیدا ہونا ایک عام معیوب فعل ہے جس سے ہمیشہ منع کیا گیا ہے اور تاقیامت اس کی مذمت ہوتی رہے گی، لیکن ان کے خلاف شرعی عادات و اطوار سے پرہیز کرتے ہوئے اور شرعی حدود اور پردے کی پوری پابندی کر کے زیب و زینت سے بچتے ہوئے سادہ حالت میں

میں آ کر نماز پڑھ رہی ہیں۔

بغداد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد اعظمیہ میں آج بھی خواتین کی بڑی تعداد نمازوں میں شریک رہتی ہے، اور حرمین شریفین میں تو آج جتنی بڑی تعداد میں مسلمان خواتین اپنے زہد و تقویٰ کے ساتھ شریک نماز ہوتی ہیں اس کی مثال تاریخ اسلام میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

خواتین کو مسجدوں سے روکنا ان کی توہین ہے:

جو لوگ عورتوں کو نعوذ باللہ شیطان کی خالہ کہہ کر انھیں مسجدوں میں آنے سے محض اس لیے روکتے ہیں کہ ان کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد کا خوف ہے، یہ لوگ دراصل اپنی ماؤں اور بہنوں کی عفت اور پاک دامنی اور ان کے ایمان و عمل اور زہد و تقویٰ کا انکار کرتے ہیں۔ مساجد میں فرض نمازوں کا جو ثواب ہے کیا وہ صرف مردوں کے لیے ہے کیا کوئی ایسی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس میں مساجد میں عورتوں کی حاضری پر مطلقاً پابندی لگائی گئی ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خواتین مسجدوں میں حاضری دیتی تھیں تو کوئی وجہ نہیں، کہ حکم رسول اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آج محض مذاہب کی تقسیم اور تقلید کی پابندیوں کی وجہ سے ان مظلوم عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر آنے سے محروم رکھا جائے۔

ہاں اگر ایسا خوف اور فتنہ ہو جس سے ان کی عزت اور حفاظت کا خوف ہو تو اس بد امنی کے سبب فتنے کے زمانے تک نہ صرف انھیں بلکہ کمزور مردوں کو بھی پرہیز کرنا چاہیے لیکن یہ سبب محض عارضی ہوگا نہ کہ دائمی اور اسے محض بارش، طوفان، جنگ و جدال جیسے عذر سمجھ کر انھیں روکا جاسکتا ہے اور وہ عارضی طور پر اپنے گھروں میں رہ سکتی ہیں، یا پھر انھیں نوافل اور سنن پڑھنے کے لیے گھروں میں رہنے کو ترجیح دینے کا مشورہ معقول سمجھا جاسکتا ہے لیکن بلا عذر شرعی خواہ مخواہ خواتین کو مسجد میں آنے سے روکنا عورتوں کے دینی حقوق کو سلب کرنا ہے، جس کی اجازت شریعت اسلامیہ میں نہیں پائی جاتی۔

(بہ شکر: البلاغ (ممبئی، ہند) مارچ ۲۰۰۵ء)

عورتوں کا مساجد میں آنا ہرگز امر ممنوع نہیں، نہ اس کے لیے صراحۃً کوئی دلیل پیش کی جاسکتی، ایک موبہوم خطرے کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل:

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اس بارے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ بلال بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذ استاذنكم فقال بلال والله لنمنعنهن فقال له عبد الله اقول قال رسول الله وتقول انت لنمنعنهن وفي رواية سالم عن أبيه فاقبل عليه عبد الله فسبه سبا ما سمعت منه مثله قط۔

”عورتوں کو مسجد سے فائدہ اٹھانے سے مت روکو، جب وہ تم سے اس کی اجازت مانگیں تو ان کے صاحبزادے بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم تو انہیں ضرور روکیں گے اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں تم سے کہتا ہوں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: اور تم جواب دیتے ہو کہ ضرور روکیں گے اور اس پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بہت برا بھلا کہا اور اتنا کہا کہ اس سے پہلے ان کو اس طرح کہتے نہیں سنا گیا۔“ (مسلم)

بلکہ مسند احمد کی روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:

فما كلمه عبد الله حتى مات .

یعنی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے زندگی بھر بات نہیں کی۔

عورتوں کے مساجد میں آ کر نماز پڑھنے پر تاریخ اسلام کا ہر دور شاہد ہے:

اس بات پر تاریخ اسلام کا اجماع ہے کہ دنیا میں جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا اسی عہد مبارک سے آج تک دنیا بھر کی مساجد میں مسلمان عورتیں بڑی تعداد

## دوزخیوں اور جنتیوں کی کہانی، ان کی اپنی زبانی

عزیز زبیدی رحمہ اللہ

اسی طرح یہ خوش فہمی اور مغالطہ بھی دور ہو جائے گا کہ اسلام کو جس قدر ہم نے محدود معنوں میں قبول کر رکھا ہے وہ اسلام بھی محمدی ﷺ نہیں ہے، بلکہ وہ ہمارا اپنا ایجاد کردہ ہے۔ رواجی رنگ میں کلمہ پڑھ لینے کے بعد ہم نے شتر بے مہار اور مادر پدر آزاد ہو کر چلنے کی جو روش اور طرح ڈال رکھی ہے۔ وہ ننگ اسلام تو ہو سکتی ہے، دین اسلام نہیں ہو سکتی۔

دوزخ:

سب سے پہلے ہم ان بد نصیبوں کا ذکر کریں گے جو دوزخی ہیں، اور وہ جو کچھ وہاں پر کہیں گے وہ پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم فتنہ اور آزمائش سے بچائے۔ آمین

نامہ اعمال دیکھ کر:

سب سے پہلے جب وہ اپنا نامہ اعمال دیکھیں گے تو انہیں اس معاملہ کا صدمہ بھی ہوگا اور حسرت بھی، کہ اس نے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی، نہ چھوٹی نہ بڑی:

﴿وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُسُوِّدُنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ط﴾

(الکہف: ۴۹)

”اور کتاب رکھی جائے گی، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! اس کتاب کو کیا ہے، نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے اور نہ بڑی مگر اس نے اسے ضبط کر رکھا ہے، اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے۔“

انسان کے لیے آپ بیتی جیسی روانداد زندگی جتنی سچی اور یقینی ہے، اتنی دوسری نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اپنے اوپر جو گزری ہوتی ہے نیکی یا برائی۔ اس کے سلسلے میں کبھی کسی کے لیے ریب و تذبذب اور شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس لیے اگر ہمیں یہ دیکھنا منظور ہو کہ العیاذ باللہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اور جنت میں داخل ہونے کی کون سی راہیں ہیں؟ تو ہمیں یہ بھی کچھ دوزخیوں اور جنتیوں سے پوچھنا چاہیے۔ کیوں کہ اس سلسلہ کی جتنی سچی اور پکی بات وہ بتا سکتے ہیں، دوسرے نہیں بتا سکتے۔ آپ فرمائیں گے کہ ابھی تو یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی؟ آپ اس سے پہلے ہمیں کیا اور کیسے بتا سکیں گے؟

دراصل یہ سب کچھ ہمارے لحاظ سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو قیامت سے پہلے اس کا پتا ہے، کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی۔ اور ان میں سے کون کون کیا کیا کہے گا۔ اس لیے جس بات کا ذات حق نے خود ذکر کیا ہے، اس کے واقع اور یقینی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور یہ سبھی کچھ ہم خدائے قرآن کی زبانی آپ کو بتائیں گے۔

ان حقائق کے مطالعہ کے بعد ہمارے لیے یہ بات سمجھنا آسان ہو جائے گی، کہ دنیا میں آج کل ”دوزخی اور جنتی“ ہونے کی جتنی اور جیسی کچھ بحثیں چل نکلی ہیں ان میں سے بیشتر ہمارا خط ہیں، ڈینگیں ہیں، بے سمجھی کی باتیں ہیں، بے عمل اور مکموں کے مشغلے ہیں، یا کچھ کاروباری اور گرمی محفل کا سامان ہیں۔ اور جتنا حصہ حق ہے، وہ عامیانہ سطح سے نہایت اونچا ہے۔ اور صرف خدا ترس علمائے حق کی رائے کا بادلِ نخواستہ اور محتاط اظہار ہے۔ اور وہ بھی محض ملی مفاد اور مستقبل کے تحفظ کے لیے ہوتا ہے۔

قیامت میں نامہ اعمال کو دیکھ کر، جو کچھ وہ کہیں گے حق تعالیٰ نے دنیا میں پہلے ہی اس کا ذکر کر دیا تھا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ﴾ (الزلزال: ۸، ۷)

”جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی وہ اسے پنچشم خود دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے بھی پنچشم خود دیکھ لے گا۔“

حدیث شریف سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جن امور کو معمولی سمجھ کے بے نیازی برتتا ہے، یا ان کو کر گزرتا ہے، وہ احتساب اور نتائج کے لحاظ سے بڑی عظیم چیز ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ اِيَّاكَ وَمَحْقَرَاتِ الذُّنُوبِ فَاَنْ لِّهَا مِنَ اللَّهِ عِزٌّ وَجَلٌّ طَالِبًا. (مسند احمد: ۷۰/۶)

”اے عائشہ! اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچا جن کو معمولی خیال کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی طرف سے ان کا پیچھا کرنے اور ڈھونڈنے والا مقرر ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انکم لتعملون اعمالاً هي أدقُّ في أعينكم من الشعر إن كنَّا لنعدها على عهد النبي صلى الله عليه وسلم من الموبقات. (بخاری: ۵۴۹۲)

”تم ایسے عمل اور کام کرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں (یعنی انتہائی معمولی اور بے وزن) لیکن ہم ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک عہد میں مہلکات میں شمار کیا کرتے تھے۔“

دراصل انسان نے جتنے گناہ کیے ہیں، وہ سب شروع سے بڑے نہیں تھے، بلکہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ ان صغائر اور بے احتیاطیوں کا ہوتا ہے، جو انسان کی نگاہ میں بالکل بے وزن ہوتی ہیں۔ اور وہی جمع ہو ہو کر کبیرہ گناہ بن جاتی ہیں۔ اور یہی حال حسنات کا ہے۔ اور یہ

کیفیت صرف معنوی امور کی نہیں ہے، بلکہ مادی حقائق اور حرکات کے لیے بھی یہی قانون جاری ہے۔ کتنی بے وزن سے بے وزن ہی کیوں نہ کوئی حقیقت اور حرکت ہو، فضا کے اندر اس کے نقوش ثبت ہو کر رہتے ہیں، جو چیز ہست ہوتی ہے اور عدم سے وجود میں آتی ہے، اس کی ہستی شمار میں آ جاتی ہے، اس کی حرکات اور سکون کے نقوش اور نشانات کائنات کے اندر کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ابھر آتے ہیں، حالاں کہ ان سب کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا اور اس وقت جا کر راز فاش ہوتا ہے، جب یہ بے وزن حقائق اور حرکات جمع ہو کر اپنی قوتوں کا تماشا عام کر دیتی ہیں۔ بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنے اولین ماخذ اور وجود کے اعتبار سے بساطت کے اس درجہ میں ہوتی ہیں، جہاں مشاہدات کی کمندیں نہیں پھینکی جاسکتیں۔ لیکن ان حالات میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہیں ہی نہیں، اگر ہیں تو کائنات کے اندر ان کا شمار ہی نہیں ہے۔

دراصل انسانوں کے لیے عموماً وہ بے احتیاطیاں و بال بن رہی ہیں، جن کو وہ انتہائی حقیر اور معمولی سمجھ کر کر گزرتا ہے، یا نظر انداز کرتا رہتا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں وہ انسان اس درجہ حساس اور باہوش رہے کہ ان حقیر بے احتیاطیوں کے بجائے ان کے نتائج پر ان کی نگاہ رہے تو ان بد نتائج کے فتنے سے بچ جائے جو اس کو قیامت میں پیش آنے والے ہیں۔

باقی رہا ان کے نتائج کا فوری ظہور؟ تو وہ ہو بھی جاتا ہے، اور ملتوی بھی رہتا ہے۔ اور یہ اصول صرف حقیر بے احتیاطیوں اور معمولی سی نیکیوں کے بارے میں نہیں جاری بلکہ انسان کے تمام اعمال کے لیے مکمل احتساب کا ایک دن مقرر ہے۔ اس لیے ان کے مکمل نتائج کا فوری اور مکمل ظہور بھی اسی دن ہوگا، پہلے نہیں۔

﴿لَوْ يَوَازِيهِمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَلَ لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ۝﴾ (الكهف: ۵۸)

”اگر وہ انھیں اس کی وجہ سے پکڑے جو انھوں نے کمایا ہے تو یقیناً ان کے لیے جلد عذاب بھیج دے، بلکہ ان کے لیے

وعدے کا ایک وقت ہے جس سے بچنے کی وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے۔“

بہر حال ان بے حقیر بے احتیاطیوں کو حقیر سمجھنے اور حق تعالیٰ کی اس ڈھیل اور مہلت نے انسانوں کی اُخروی زندگی کو کافی بوجھل بنا ڈالا ہے، اور قیامت میں جب وہ بوجھ ان کے کندھے پر آ پڑے گا، اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی لیکن اب ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔  
اصلاح حال کے لیے دوبارہ آنے کی درخواست:

جب یہ لوگ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں گے اور اپنے کیے کا پھل پالیں گے، تو روبرو کر اللہ سے درخواست کریں گے کہ الہی! ہمیں دنیا میں دوبارہ جانے کا موقع دے دیجیے تاکہ اپنی غلطیوں کی تلافی کر لیں۔

نیک عمل کریں گے:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِّحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ط﴾ (فاطر: ۳۷)

”اور وہ اس میں چلائیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں نکال لے، ہم نیک عمل کریں گے۔“

حق تعالیٰ ان کو جواب دیں گے:

﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مِمَّا بَدَّخَرْنَا فِيهِ مَنْ تَذَكَّرُ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ فَذُوقُوا كَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ (فاطر: ۳۷)

”اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے۔ اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا۔ پس چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

سورہ ملک میں اس کی بھی تفصیل مذکور ہے کہ یہ کفار مندرجہ بالا سوال کا کیا جواب دیں گے۔

کاش! ہم نے عقل سے کام لیا ہوتا:

﴿كُلَّمَا أَلْفَيْ فِيهَا فُوجٍ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۚ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ

شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝﴾

(ملک: ۸-۱۰)

”جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے نگران ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔ اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔“

گناہوں کے اعتراف کے بعد دوزخ سے نکلنے کے لیے پھر اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کریں گے۔

اعتراف جرم کے بعد درخواست:

﴿قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اَنْتَنِيں وَاٰخِيْتِنَا اٰتِنِيں فَاَعْتِرِفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝﴾ (المومن: ۱۱)

”وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دودفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دودفعہ زندہ کیا، سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، تو کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟“

اللہ میاں اس کا جواب دیں گے۔

غیر اللہ کا اقتدار:

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهُ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُشْرَكَ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ط فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝﴾ (المومن: ۱۲)

”یہ اس لیے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جب اس اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، اب فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے جو بہت بلند، بہت بڑا ہے۔“

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو جس شرک کا الزام دیا گیا ہے۔ وہ یہ نہیں تھا کہ وہ فی الواقع زیادہ خدا اور الہ کے

ہوں گے۔“ (المؤمنون: ۱۰۶، ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے:

﴿قَالَ احْسِنُوا فِيهَا وَلَا تَكْلِمُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۰۸)

”فرمائے گا اس میں دور دفع رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔“

کیوں؟ فرمایا:

﴿إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ

ارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا

حَتَّىٰ أَنْسَوَكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ﴾

”بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ

لوگ تھے جو کہتے تھے اے ہمارے رب! ہم ایمان لے

آئے، سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم

کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تو تم نے انہیں مذاق بنالیا،

یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد بھلا دی اور تم ان سے

ہنسا کرتے تھے۔“ (المؤمنون: ۱۰۹، ۱۱۰)

قائل تھے۔ بلکہ یہ تھا کہ وہ غیر اللہ کے اقتدار، حکومت اور قانون

سازی کے قائل تھے، اب آپ غور فرمائیں کہ یہ جرم کس زمانہ میں

نہیں کیا گیا، اور کس ملک اور کس قوم نے اس سے پرہیز کیا ہے؟

اس امر کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

(المائدہ: ۴۴)

”اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا

ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔“

غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا.....

مجرمین مرنے کے بعد عرض کریں گے:

﴿رَبِّ ارْجِعُونِ﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ

كَلَّا ط إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ

يَوْمٍ يُبْعَثُونَ﴾ (المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰)

”اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ

آیا ہوں اس میں کوئی نیک عمل کر لوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک

بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک

جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔“

جب یہ دوزخ میں جل رہے ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے

فرمائے گا:

﴿أَلَمْ تَكُنْ أَيْتِي تَتْلِيٰ عَلَيْنَا فَاذْكُرْنَاهَا بِمَا تُكَذِّبُونَ﴾

”کیا میری آیتیں تم پر پڑھی نہ جاتی تھیں، تو تم انہیں جھٹلایا

کرتے تھے؟“ (المؤمنون: ۱۰۵)

اعتراف جرم کرتے ہوئے عرض کریں گے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ﴾ رَبَّنَا

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا عِدُّنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾

”وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب

آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اس

سے نکال لے، پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالم

9 ستمبر 2011ء کا

خطبہ جمعۃ المبارک



امیر تحریک دعوة التوحید، پاکستان

جامع مسجد اہل حدیث

جھنڈے والی ضلع مظفر گڑھ





## خدا جس کو پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا!

مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ

قرآن مجید اس استخفاف الوہیت کی بریلوی اکاس بیل کو توحید کے نخل طوبی سے یوں دور کرتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (المؤمنون: ۸۸)

”(اے پیغمبران لوگوں سے) کہو! کہ اگر تم بڑے سمجھ دار ہو۔ تو (اتنی بات تو بتاؤ کہ) کون (ایسا قادر مطلق) ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا) پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔“

اس آیت نے دو ٹوک فیصلہ کر دیا ﴿وَهُوَ يُجِيرُ﴾ اور وہ پناہ دیتا ہے۔ یعنی ہر کسی کے پکڑے کو چھڑا سکتا ہے۔ ﴿وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ”اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، یعنی اگر وہ پکڑ لے تو کوئی اس سے چھڑا نہیں سکتا۔ اور ﴿مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ نے رب العزت کے مختار کل ہونے کے سورج کو دو پہر کا سورج بنا دیا ہے جس کے سامنے سب کی نظریں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے  
”اے اللہ! جس رسول اکرم ﷺ نے قرآن کے ذریعہ  
تیری ایسی پہچان کرائی ہے۔ ان پر بارش کے قطروں جتنا  
دروہ و سلام نازل فرما۔“

خدا تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو پکڑ لیا:  
﴿رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ۝ فَنَجَّيْنَاهُ وَاهْلَهُ

بہوش باش کہ ہنگام باد استغنا  
ہزار خرمن طاعت بہ نیم جو بد ہند  
”ہوشیار رہ، کہ جب بے پروائی کی ہوا چلتی ہے تو عبادت  
کے ہزار خرمن آدھے جو کی قیمت نہیں پاتے۔“

رب ذوالجلال وہ ذات لا یزال ہے کہ جو نہ تو کسی قوت سے ڈرے، نہ کسی سے ناتا رکھے کہ اس سے متاثر ہو، اور نہ کسی کے مال و جاہ کا رعب کھائے۔ وہ کبر و استغنا کی ردا اوڑھے ہے، اور ہر غیر اللہ اس کے در کا محتاج ٹھہرے ہے، ایک ہزار کئی لاکھ پیغمبر اور ان کی امتوں کے اولیاء اللہ اس سے ڈرتے، تھر تھر کانپتے اور اس کی رحمت و فضل کے دریا میں شنواری کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ اس نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو اپنے حضور بڑے بڑے درجوں اور مرتبوں سے نواز رکھا ہے۔ پھر بھی ﴿يَفْعَلْ مَا يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ لیس علیک ہداهم کی شانیں اور اختیارات، صفتیں، طاقتیں اور قدرتیں اپنے ہی لیے مخصوص رکھتا ہے۔  
رو برو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

بریلویت کے ”آتش کدہ“ سے ایک شرارہ پھوٹا، جو بیت بازی کا روپ دھار کر عورتوں کے ذہن و خیال میں جا بیٹھا، جسے عورتیں مزے لے لے کر کورس میں گاتی ہیں۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد  
محمد دا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا  
گویا معبود (معاذ اللہ) کمزور ہے اور ”عابد“ طاقتور  
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے



أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿الشعراء: ۱۶۹-۱۷۲﴾

”حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی) اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان (ناپاک) کاموں کے (وبال) سے کہ یہ لوگ کر رہے ہیں نجات دے۔ چناں چہ ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی مگر (لوط کی) بوڑھی عورت (کہ وہ) پیچھے رہنے والوں میں (مل کر بتلائے عذاب) ہوئی۔ پھر ہم نے باقی لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ان پر پتھراؤ کیا۔ سو (کیا ہی) برا پتھراؤ تھا جو ان لوگوں پر ہوا جن کو (عذاب سے) ڈرایا گیا تھا۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو پکڑ لیا اور اس کو ہلاک کر دیا جس کو کوئی چھڑانہ سکا۔  
حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی گرفت:

﴿صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ ۝﴾ (التحریم: ۱۰)

”کافروں کے (عبرت پکڑنے کے) لیے خدا نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ (دونوں عورتیں) ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں نے ان کو دغا دی (کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی رہیں) تو دونوں کے شوہر (باوجودیکہ پیغمبر تھے) اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور (ان دونوں عورتوں کو) حکم دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔“

دیکھا خدا نے صاف فرما دیا کہ دونوں پیغمبر اپنی بیویوں کے کچھ

کام نہ آئے۔ ان کو خدا کی پکڑ سے چھڑانہ سکے۔  
حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو پکڑ لیا گیا:

﴿نُوحٌ بِإِسْنِهِ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنِي أَرْكَبًا مَّعْنًا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۖ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۖ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۝﴾ (هود: ۴۲، ۴۳)

”اور نوح کا بیٹا (ان سے) الگ تھا۔ تو نوح علیہ السلام نے اس کو پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ وہ بولا میں تمہارے دیکھتے دیکھتے کسی پہاڑ کے سہارے جا لگتا ہوں جو مجھ کو (طوفان کے) پانی سے بچالے گا۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ آج کے دن اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ مگر خدا ہی جس پر اپنا رحم کرے۔ اور (باپ بیٹے یہ باتیں کر رہے تھے کہ) ایک موج دونوں کے درمیان آ حائل ہوئی اور دوسروں کے ساتھ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ڈوب دیا گیا۔“

صاحبزادہ ڈوب گیا:

بیٹے کے ڈوبنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی۔ کہ اے مولا! میرا بیٹا میرے اہل و عیال سے ہے اور تیرا وعدہ، میرے اہل و عیال کو نجات دینے کا ہے۔ اور تو وعدے کا سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ لہذا میرے بیٹے کو نجات دے) خدا نے فرمایا۔ اے نوح! (سن!) تیرا بیٹا تیرے اہل و عیال سے نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔ تو جس چیز کی حقیقت حال تم کو معلوم نہیں ہے ہم سے اس کی درخواست مت کرو۔ ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں کہ نادانوں کی باتیں نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خدا کی پکڑ سے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن خدا نے نہ چھوڑا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ خبردار! ایسی درخواست ہی مت کرو۔

غور کریں کہ جناب رحمت للعالمین ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو خدا کی پکڑ سے چھڑانے کے لیے کتنی دعاء کی۔ اس کو اپنا کرتہ پہنایا۔ اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا (وہ لعاب دہن جس کی پاکیزگی اور برکت پر دارین قربان) اور جسم پر بھی ملا۔ اور اس قبر پر دعائے بخشش مانگنے کے لیے کھڑے بھی ہوئے۔ اور بڑے خشوع و خضوع سے جنازہ بھی پڑھا۔ لیکن بائیں ہمد واحد القہار نے اسے دوزخ میں ڈال دیا۔ اللہ اکبر! جسے اللہ پکڑے اسے کون چھڑائے۔ حضور ﷺ نے اسے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن۔ لیکن اللہ نے نہ چھوڑا۔

نہ ہو طبیعت جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے! ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرد کنار جو کا رحمت عالم ﷺ کی، بیٹی اور پھوپھی کو وصیت:

یا فاطمة بنت محمد ویا صفیة عمة رسول اللہ (ﷺ) اعملا لما عند اللہ فانی لا اغنی عنکما من اللہ شیئا . (طبقات ابن سعد)

”اے فاطمہ بیٹی محمد (ﷺ) کی اور اے صفیہ پھوپھی رسول اللہ کی! تم دونوں اللہ کے ہاں کام آنے والے نیک عمل کر لو۔ میں تم دونوں کو خدا سے چھڑا نہیں سکوں گا۔“

کچھ اس ادا سے نسیم بہار جھوم کے چل کہ پھوٹ نکلے دل نا مراد کی کونیل حسیں چن میں بدل جائے ریگ زار حیات سراب یاس سے پیدا ہوں فرحتوں کے کنول



دعائے مغفرت

جناب نعیم پراچہ (ایکسپورٹ کمپنی اریوا) لاہور کے والد محترم محمد ممتاز پراچہ گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون مرحوم کی مغفرت وبلندی درجات کے لیے قارئین سے درخواست گزار ہیں۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

خدا نے عبداللہ بن ابی کو پکڑ لیا۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول بظاہر مسلمان تھا۔ نمازیں پڑھتا تھا۔ بظاہر روزے رکھتا تھا۔ حضور ﷺ کا خطبہ جمعہ سنتا تھا۔ رحمت عالم ﷺ کے ساتھ جہاد میں بھی جاتا تھا۔ لیکن تھا منافق مسلمان۔ موت کا وقت آیا، مر گیا۔ حضور انور ﷺ نے اس کی بخشش کے لیے ازحد کوشش کی۔ صحیح بخاری میں ہے:

فوضعه علی رکتیہ فنفت فیہ من ریقہ والبس قمیصہ .

رحمت للعالمین ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اپنے گھٹنوں پر رکھا۔ پھر اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اس کو اپنی قمیص پہنائی۔ حضور ﷺ اس کے جنازے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب جنازہ پڑھانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ابن ابی پر نماز پڑھتے ہیں۔ حالاں کہ اس نے فلاں دن ایسی ایسی باتیں کہی تھیں۔ اور فلاں دن ایسی ایسی۔ حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! ذرا ہٹو۔ پھر آپ ﷺ نے جنازہ پڑھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ط﴾ (التوبة: ۸۰)

”بخشش مانگ ان کے لیے یا نہ بخشش مانگ ان کے لیے، اگر بخشش مانگے تو ان کے لیے ستر بار پس اللہ ہرگز نہ بخشے گا ان کو۔“

یعنی ایک جنازہ چھوڑا اگر تو ستر جنازے بھی پڑھے تب بھی میں اس کو نہیں بخشوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔ اور آئندہ کے لیے اپنے پیغمبر کو حکم دے دیا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ط﴾ (التوبة: ۸۴)

”اور (اے پیغمبر ﷺ) اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو تم ہرگز اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (دعا مانگنے کے لیے) کھڑے ہونا۔“

## قادیانی شبہات کا ازالہ

عطا محمد جنوعہ

نزول کا مفہوم:

منظف درانی نے سورۃ طلاق (آیت: ۱۱) کا حوالہ دے کر لکھا ہے: ”جس طرح رسول اللہ ﷺ نازل ہوئے بالکل اسی طرح مسیح بھی نازل ہوں گے۔“ حالاں کہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا: ”تحقیق اُتارا ہے اللہ نے طرف تمہاری ذکر کہ پیغمبر ہے جو پڑھتا ہے۔“

یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے جو یقیناً حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سنائے۔

جماعت اہل حدیث کے نامور محقق مولانا محمد داؤد ارشد نے بحث نزول پر قادیانی شبہ کا ازالہ کیا ہے۔

بحث نزول:

قادیانی حضرات لفظ نزول کے معانی اپنی من پسند کے کرتے ہوئے بھی لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ وہ اس کا معنی پیدائش بتلاتے ہیں تو عرض ہے کہ جتنی دیر تک قواعد سے یہ ثابت نہ کر دیں کہ لفظ نزول کا معنی اوپر سے نیچے آنا نہیں بلکہ پیدائش ہے تب تک کسی اور معنی میں اس کا استعمال ہونا، انہیں مفید نہیں ہے۔ معروف لغت دان علامہ فیومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نزل من علوہ الی سفلی یعنی نزول کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے ہیں۔

(مصباح المنیر، ص: ۶۰۰)

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

النزول فی الاصل هو انحطاط من علوہ وانزل اللہ تعالیٰ ام بانزال الشیء نفسه واما بانزال اسبابہ والهدایۃ کانزال الحدید ولللباس

وهو ذالك . (المفردات القرآن، ص: ۴۸۸) یعنی ”نزول کے معنی اوپر سے نیچے کو اترنا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اترنا یا تو شے کا اترنا ہوتا ہے جیسے قرآن کا اترنا یا اس شے کے اسباب و ذرائع اور اس کی طرف سے (توفیق) ہدایت کا اترنا ہے جیسے انزال حدید، انزال لباس اور اس کے مثل انزال رزق، انزال انعام، انزال میزان، انزال رحمت وعذاب وغیرہ۔“

ربان کا سورۃ الطلاق کی آیت سے استدلال کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر نازل کیا ہے تو یہاں ذکر سے قرآن مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قرآن کو ذکر کہا ہے۔ آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ (الحجر: ۹)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ (الحجر: ۶)

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ (نحل: ۴۴)

﴿وَهَذَا ذِكْرٌ مُبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ﴾ (انبیاء: ۵۰)

﴿أَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا﴾ (ص: ۸)

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ﴾ (حم سجدہ: ۴۱)

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ (یسین: ۶۹)

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (تکویر: ۲۷)

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۴)

﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (قلم: ۵۲)

ان آیات نے وضاحت کر دی کہ ذکر سے مراد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ قرآن ہے۔ اس کے لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو کوئی با

ذوق اس سے انکار نہیں کر سکتا کیوں کہ ذکر بمعنی نصیحت آتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ مراد ہوتے تو لفظ مذکر (نصیحت کرنے والا) ہوتا۔

لفظ نزول کے معنی سے متعلق قرآنی آیات ملاحظہ کرتے ہیں:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾

”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔“ (کہف: ۱)

﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (الشوری: ۱۷)

”اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو اتارا۔“

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ (فرقان: ۴۸)

”آسمان سے پانی اتارتا ہے۔“

﴿أَنْزَلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ (مائدہ: ۱۱۴)

”ہم پر آسمان سے دسترخوان اتارا۔“

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا﴾ (توبہ: ۲۶)

”پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔“

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝﴾

(شعراء: ۱۹۲، ۱۹۳)

”اور یقیناً یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے، جسے روح الامین لے کر اترتا ہے۔“

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۝﴾ (شعراء: ۱۹۸)

”اور اگر ہم اسے اعجمیوں میں سے کسی پر اتارتے۔“

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ﴾ (محمد: ۲۰)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہیں گے کہ کیوں نہ کوئی سورت اتاری گئی؟ پس جب کوئی محکم سورت اتاری جائے گی۔“

﴿تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحُ فِيهَا يَأْذِنُ رَبِّهِمْ﴾ (القدر: ۴)

”بہ کثرت نازل ہوتے ہیں اس میں فرشتے اور روح القدس

اپنے رب کے حکم سے۔“

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لیے عظیم ہدایت کے طور پر اتارا گیا۔“

تلك عشرة كاملة:

یہ دس مقامات جو ہم نے قرآن حکیم سے نقل کیے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی مرزا طاہر احمد جانشین مرزا قادیانی کا نقل کیا ہے۔ مرزائی اس پر غور کریں کیا وہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں جو رب العالمین نے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا تھا یا قرآن کو اللہ کی زمینی مخلوق کا عقیدہ رکھتے تھے اور فرشتوں کے نزول کی وہ کیا تاویل کرتے ہیں اور نمبر ۳ پر آیات میں آسمان سے پانی اترنے (بارش) کو وہ کیا کہتے ہیں اور نمبر ۴ میں نصاریٰ کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے آسمان سے دسترخوان اتارنے کی التجاء کو کیا کہتے ہیں؟ اگر وہ ان تمام مقامات پر نزول سے اترنا ہی مراد لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مروی احادیث کو پیدائش پر محمول کرتے ہیں۔ حالاں کہ بعض احادیث میں آسمان کا لفظ بھی موجود ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول

اللہ ﷺ کیف أنتم اذا نزل ابن مريم من السماء

فيكم وامامكم منكم . (كتاب الاسماء

والصفات، ج: ۲، ص: ۱۶۶ وفي نسخه الاخرى،

ص: ۵۳۵ وفي نسخه الاخرى، ص: ۴۲۴ وص:

۳۰۱ مطبوعه اله آباد: ۵۱۳۱۶)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جب ابن مریم علیہ السلام

آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔“

(ترجمہ دوسری حدیث) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے اختلاف اور فرقہ کے وقت مشرق سے

مشرق منکرات، کانا دجال نکلے گا۔ چالیس دنوں میں وہ زمین پر وہاں

رجال شنوءة ورأيت عيسى فاذا هو رجل  
ربعة احمر (وفى الحديث الذى بعده) عيسى  
جعد مربوع . (بخارى مصرى، ج: ۲، ص: ۱۵۱)  
”یعنی موسیٰ علیہ السلام دبلے سیدھے بال والے تھے جیسے شنوءہ  
کے لوگ اور عیسیٰ علیہ السلام میانہ قد سرخ رنگ کے گھونگھریالے  
بال والے۔“

پہلی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام گھونگھریالے بال والے تھے اور  
عیسیٰ علیہ السلام سیدھے بال والے۔ اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام سیدھے بال  
والے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام گھونگھریالے بال والے۔ پس دو موسیٰ اور دو  
عیسیٰ ہوئے۔ (اور سنئے):

وَأَمَّا عِيسَىٰ وَآخَمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا  
مُوسَىٰ فَأَدَمُ جَسِيمٌ بَسَطَ كَأَنَّهُ مِنْ رَجَالِ الزُّطِّ .  
(بخارى مصرى، ج: ۲، ص: ۱۵۸)

”یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ، بال گھونگھریالے اور سینہ چوڑا  
ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی ہے۔ موٹے بدن کے  
سیدھے بال والے جیسے جاٹ لوگ ہوتے ہیں۔“

پہلی حدیث کے موسیٰ علیہ السلام دبلے پتے شنوءہ والوں کی طرح تھے  
اور اس حدیث کے موسیٰ موٹے بدن کے جاٹوں کی طرح ہیں۔ پہلی  
حدیث کے عیسیٰ علیہ السلام رنگ سفید سرخی مائل ہے دوسری اور تیسری  
حدیث کے عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ بالکل سرخ۔ اس بنا پر جب دو عیسیٰ  
ہو سکتے ہیں ایک پہلا اور ایک ہونے والا تو موسیٰ بھی دو ہو سکتے ہیں۔  
ایک پہلا اور ایک اور کوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ وحلیہ کے اختلافات کی حدیثیں:

ورنہ حقیقت میں نہ موسیٰ علیہ السلام کے حلیہ میں اختلاف ہے نہ عیسیٰ علیہ السلام  
کے رنگ وحلیہ میں جس سے کہ دو ہستیاں سمجھی جاسکیں۔ حضرت موسیٰ  
عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں لفظ جَعْد کے معنی گھونگھریالے بال کے  
نہیں، بلکہ کھیلے بدن کے ہیں۔ النہایہ ابن اثیر میں ہے:

مَعْنَاهُ شَدِيدُ الْأَسْرِ وَالْخَلْقِ نَاقَةٌ جُعْدَةٌ أَيْ

تک پہنچ جائے گا جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ اللہ جانتا ہے کہ اس کی  
مقدار کیا ہے؟ مومنوں کو بڑی مصیبت پہنچے گی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام آسمان  
سے نازل ہوں گے۔ پس لوگ (نماز کے لیے) کھڑے ہوں گے۔  
آپ جب رکعت سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ (کہنے  
کے بعد) قتل اللہ المسیح الدجال وظهر المومنون  
(بطور دعا) کہیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حمد سن لی، اللہ  
تعالیٰ مسیح دجال کو قتل کرے اور مومنوں کو فتح نصیب ہو۔) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ  
نے قسم اٹھا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ حق اور قریب  
ہے، پس ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہے۔ (مسند بزار،  
ج: ۴، ص: ۱۴۲، رقم الحدیث: ۳۳۹۶ کشف بحوالہ ہفت روزہ  
اہل حدیث، ۱۸ فروری ۲۰۱۱ء)

مظفر احمد درانی نے اعتراض کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے مسیح  
اور آنے والے مسیح کا رنگ، حلیہ اور سر کے بالوں کی نوعیت و کیفیت  
علیحدہ بیان کی ہے۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری رحمہ اللہ نے مذکورہ  
اعتراض کا نہایت علمی اور دعوتی انداز میں جواب دیا ہے، وہی نقل کرتا  
ہوں:

اس طرح سے اگر دو عیسیٰ ہو جاتے ہیں تو دو موسیٰ بھی ماننا ہوں  
گے۔ کیوں کہ ایسا ہی اختلاف سراپا موسیٰ میں بھی اسی حدیث میں  
مذکور ہے، ملاحظہ ہو۔ بَدَأَ الْخَلْقَ میں ہے:

مُوسَىٰ رَجُلًا أَدَمَ طَوَالًا جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رَجَالِ  
شَنُوءَةٍ وَرَأَيْتُ عِيسَىٰ رَجُلًا مَرْفُوعًا مَرْبُوعًا  
الْخَلْقَ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبَطَ الرَّأْسِ .

(بخارى مصرى، ج: ۲، ص: ۱۳۴)

”حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ، قد لمبا، گھونگھریالے بال  
والے تھے جیسے یمن کے قبیلہ شنوءہ کے لوگ، اور عیسیٰ علیہ السلام  
درمیانہ قد سرخ و سفید رنگ، سیدھے بال والے اور کتاب  
الانبیاء میں ہے۔“

رأيت موسى واذا رجل ضرب رجل كانه من

مُجْتَمَعَةُ الْخَلْقِ شَدِيدَةً .

یعنی ”جعد کے معنی جوڑ و بند کا سخت ہونا جعدہ اونٹنی مضبوط جوڑ بند والی۔“

مجمع الحار میں ہے:

أَمَّا مُوسَىٰ فَجُعِدَ أَرَادَ جُعْدَةً الْجِسْمِ وَهُوَ اجْتِمَاعُهُ وَاجْتِنَاؤُهُ لَا صَنْدُ سُبُوطَةِ الشَّعْرِ لِأَنَّهُ رُويَ أَنَّهُ رَجُلٌ الشَّعْرَ وَكَذًا فِي وَصْفِ عِيسَى .

(ج: ۱، ص: ۱۹۶ کذا فی فتح الباری، ص: ۲۷۶،

پ: ۱۳ ونووی شرح مسلم، ج: ۱، ص: ۹۴)

یعنی ”حدیث میں موسیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جو لفظ جعد آیا ہے اس کے معنی بدن کا گھٹایا ہونا ہے نہ بالوں کا گھونگر ہونا۔ کیوں کہ ان کے بالوں کا سیدھا ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح لفظ ضرب اور جسم میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ ضرب بمعنی نیچف البدن اور جسم بمعنی طویل البدن۔“

قال القاضي عياض المراد بالجسم في صفة موسى الزيادة في الطول . (فتح الباری انصاری،

ص: ۲۷۶، پ: ۳)

یعنی صفت موسیٰ علیہ السلام میں لفظ جسم کے معنی لمبائی میں زیادتی ہے۔

اسی طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ لفظ احمر کا صحابی راوی نے تخت انکار کیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں موجود ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَا وَاللَّهِ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّعَ بِعِيسَى أَحْمَرُ . (بخاری، ج: ۲، ص: ۱۵۸)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اللہ کی آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ کی صفت میں احمر (یعنی سرخ رنگ) کبھی نہیں فرمایا۔“

پس پہلا رنگ برقرار رہا یعنی سفید رنگ سرخی مائل۔ لہذا رنگ وحلیہ کا اختلاف حضرت موسیٰ عیسیٰ سے مدفوع ہے اور حقیقت میں

جیسے موسیٰ علیہ السلام ایک تھے عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک ہی ہیں۔

(محمدیہ پاکٹ بک، ص: ۵۲۵ تا ۵۲۷)

قادیانیوں نے احمدیہ پاکٹ بک میں طرح طرح کے علمی اعتراضات کیے۔ انجمن اہل حدیث لاہور کی تحریک پر مولانا محمد عبداللہ معمار رحمہ اللہ نے مذکورہ اعتراضات کا مدلل انداز میں جواب دیا جو ”محمدیہ پاکٹ بک“ کے نام سے شائع ہوا۔ جناب درانی صاحب! اگر واقعی آپ صدق دل سے راہ حق کے متلاشی ہیں تو آپ اس کا مطالعہ کریں۔

حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کا مدفن:

راقم نے نزول مسیح سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے زندگی کا باقی حصہ گزار کر مدینہ منورہ میں دفن ہوں گے۔ پوری حدیث نقل کرتا ہوں:

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ

ينزل عيسى بن مريم الى الارض فيتزوج

ويولد له ويمكث خمسا واربعين سنة ثم

يموت فيدفن معي في قبر فاقوم انا وعيسى بن

مريم في قبر واحد بين ابى بكر وعمر . (رواه

ابن الجوزى فى كتاب الوفا كتاب الاذاء، ص: ۷۷)

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: زمانہ آئندہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی

اور پینتالیس برس (زمین پر) ٹھہریں گے پھر وفات پائیں

گے اور میرے ساتھ قبر میں مدفون ہوں گے اور قیامت کو

میں، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان

قبر سے اٹھوں گا۔“

مظفر درانی نے ایک اعتراض تو کیا ہے لیکن تسلیم کیا ہے کہ یہ

حدیث صحیح ہے۔ قابل غور بات ہے کہ زمین پر نازل ہونے کا مطلب



جو بے حرمتی آپ کو نظر آئی وہ مرزا کو تو نظر نہ آئی اور نہ اُس نے روحانی تدفین مراد لی۔ البتہ حج پر جانے کا موقع نہ ملا۔ معترضین کے سوال پر کہا:

”میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانے میں خاص کر دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا ہو جائے۔“

(ازالہ اوہام، ج: ۳۰، ص: ۷۲، ۷۳، ط: ۲)

مرزا قادیانی کو جب اپنے بارے شک شبہ نظر آیا تو اُس نے کسی اور مثل مسیح علیہ السلام کے آنے کا ذکر کیا لیکن قبر کی بے حرمتی کا اعتراض نہیں کیا۔

اس حدیث میں بیسن اُبی بکر وعمر کے الفاظ نے وضاحت کر دی ہے کہ کسی نادان کو شبہ قبر کے کھودنے کا نہ پڑے کیوں کہ نقشہ روضہ اطہر اس امر کی دلالت کر رہا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان مدفون ہوں گے۔

نقشہ

حضرت محمد ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مرضع قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عربی میں ”فی“ قریب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

”جب موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو بیوی سے کہا کہ تاپنے کے لیے میں آگ لاتا ہوں۔ آپ جب وہاں تشریف لے گئے تو آواز آئی۔ ان بارک من فی النار برکت دی گئی اسے جو آگ کے قریب ہے۔“ آگ کو نہیں کہا گیا بلکہ آگ کے قریب والے کو۔ اللہ آپ کو سمجھنے کی صلاحیت دے۔



واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے پیشتر زمین پر نہ تھے یقیناً زمین کے بالمقابل آسمان پر تھے۔

نازل ہونے والے کا نام عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہے۔ غلام احمد بن چراغ بی بی نہیں۔ وہ نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی۔ اس دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے، انہوں نے نکاح کیے اور اُن کی اولاد بھی ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر اس کا ذکر کیوں فرمایا۔ کیوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جب آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو اُس وقت اُن کا کسی سے نکاح نہیں ہوا تھا۔ جب کہ مرزا قادیانی نے جب مسیحیت کا دعویٰ کیا تو اُس وقت صاحب اولاد تھا۔ مرزا صاحب نے اس سے مراد یہ لیا کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی لڑکی محمدی بیگم کے میرے نکاح میں آنے اور پھر اس سے اولاد ہونے کی بشارت ہے۔ مرزا صاحب تاویل در تاویل کرتا مرگیا لیکن محمدی بیگم سے نکاح نہ ہوا۔ قرآن کریم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا ذکر ہے وہاں توفی کا لفظ آیا ہے جہاں اُن کے مرکرفن ہونے کا ذکر ہے وہاں لفظ ثم یموت فیدفن کے الفاظ آئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ مرزا کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں مرکرفن ہوئے غلط ثابت ہوا۔

مرزا غلام احمد قادیانی آسمانی فیصلہ کے مطابق ہیضہ کی موت سے لاہور میں مرا اور قادیان میں دفن ہوا۔ جب کہ حدیث میں واضح موجود ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زمین کی طرف نازل ہوں گے۔ مخصوص زندگی گزار کر مدینہ منورہ میں فوت ہوں گے اور روضہ اقدس میں دفن ہوں گے۔ یہاں مظفر درانی نے اعتراض کیا کہ اس طرح قبر کے اندر دفن ہونے سے قبر کی بے حرمتی ہوگی۔ جناب درانی صاحب آپ کے مرزا قادیانی نے خود اعتراف کیا ہے:

”آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن ہوگا یعنی وہ میں ہی ہوں۔“ (کشتی نوح، ص: ۱۵)



## مسیح موعود عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان فرق

لیاقت علی باجوہ

- ۱: مسیح ابن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ (سنن ابی داؤد: ۴۳۲۱) مرزا نہ آسمان پہ گیا نہ اتر۔
  - ۲: حقیقی مسیح کے دور میں یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۳۷) مرزا اس چیز کا منکر ہے۔
  - ۳: مسیح ابن مریم علیہ السلام دمشق میں سفید مینار پر اتریں گے۔ (سنن ابی داؤد: ۴۳۲۱) مرزا نے دمشق دیکھا بھی نہیں۔
  - ۴: مسیح ابن مریم علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۳۷) مرزا قادیانی دجال کے وجود کا ہی منکر ہے۔
  - ۵: مسیح ابن مریم علیہ السلام عدل والی حکومت قائم کریں گے۔ (صحیح مسلم: ۳۹۲، ۳۹۱) مرزا غلام احمد ساری زندگی انگریز کا غلام رہا۔
  - ۶: حقیقی مسیح علیہ السلام کے دور میں مال وافر ہوگا کوئی زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۸) مرزا قادیانی ساری زندگی لوگوں کی خیرات پر گزر بسر کرتا رہا۔
  - ۷: اصلی مسیح علیہ السلام پر تمام اہل کتاب ایمان لائیں گے۔ (النساء: ۱۵۹:۴) مرزا قادیانی پر کوئی اہل کتاب ایمان نہیں لایا۔
  - ۸: مسیح ابن مریم علیہ السلام حج کریں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۷۷۸) مرزا قادیانی نے نہ ہی حج کیا ہے اور دجال کی طرح مکہ و مدینہ سے محروم رہا۔
  - ۹: مسیح ابن مریم علیہ السلام جزیہ ختم کریں گے۔ صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر ختم کریں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۸) مرزا قادیانی سے یہ کچھ نہ ہو سکا اس لیے یہ سراسر جھوٹا ہے۔
- بلکہ وہ تو کہتا ہے:

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریز کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل و کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر، شام اور کابل و روم تک پہنچا دیا ہے اور میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خوانی اور مسیح خوانی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔

- ۱۰: مسیح ابن مریم علیہ السلام ملک شام کا ہے۔
- ۱۱: مرزا ابن چراغ بی بی ہندوستان کا ہے۔
- ۱۲: مسیح ابن مریم علیہ السلام بغیر باپ کے قوم بنی اسرائیل سے ہے۔
- ۱۳: مرزا ابن مرتضیٰ قوم مغل قصبہ قادیان سے ہے۔
- ۱۴: سچا مسیح علیہ السلام خود حاکم اور عادل ہوگا۔
- ۱۵: مرزا جھوٹا اپنے مقدموں کے فیصلے انگریزوں کے ججوں سے کرواتا تھا۔
- ۱۶: مسیح ابن مریم علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔
- ۱۷: مرزا اپنے بیٹے کو نبیوں کا چاند کہتا تھا۔
- ۱۸: سچا مسیح ابن مریم علیہ السلام مدینہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہوگا۔
- ۱۹: جھوٹا مرزا لاہور میں مرا اور قادیان میں دفن ہوا۔
- ۲۰: اس میں قادیانیوں کے لیے دعوت فکر ہے۔



## میں نے پاکستان بننے دیکھا

اُبھرنے والی موجیں تھیں، بانیں کنارہ کچڑ اور دلدل سے اٹا پڑا تھا اور اسی دلدل سے قافلے نے گزرتا تھا۔ ملٹری کے علاوہ شہر کے سکھوں کی تلواریں اور برچھے آزاد تھے۔ اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ مولانا عبداللہ رئیس قوم اوڈ کی بربل سڑک واقع مسجد اور اس کی عظیم لائبریری سے قرآن پاک اور احادیث کے اوراق پھاٹ کر انہیں سڑک پر پھینک دیا گیا تھا اور انہیں اوراق پر سے مسلمانوں کو گزرتا تھا۔ اسی مسجد کے سامنے میرے اساتذہ مولانا عبداللہ کھوی ۱۹۴۷ء اور ان کے بھائی مولانا حافظ محمد ۱۹۴۸ء کو میرے سامنے شہید کر دیا گیا۔

مولانا عبداللہ ۱۹۴۷ء کی حریمات خامہ جن کو کبھی سورج نے بھی نہ دیکھا تھا آج انہوں نے ننگے سرفاضلکا سے لے کر ہیڈ سلیمان کی تک ۹ میل کا دلدلی راستہ دوڑ کر طے کیا، ان کی زبان پر ((اللہم آکفنا بفضلک ورحمتک)) کا ورد جاری تھا۔

ہیڈ سلیمان کی پر رات جو آئی تو یہ قیامت کا سماں تھا۔ کسی کا بھائی شہید ہو گیا تھا تو کسی کا باپ گم تھا۔ متعدد پردہ دار خواتین کو سکھ درندے اٹھا کر لے گئے جن میں مولانا شہید محمد اور مولانا عبدالحق کی بیگمات بھی شامل تھیں جو ازاں بعد سلامت پاکستان پہنچ گئیں۔

بنگلہ فاضل کا سے ہیڈ سلیمان کی تک یہ ۹-۱۰ میل کا راستہ کسی پل صراط سے کم نہ تھا۔ ہیڈ سلیمان کی تقسیم شدہ تھا۔ غربی کنارہ پاکستان کے پاس تھا جس پر پاکستانی سبز پھر براہ راہ تھا اور ہر طرف بلوچ رجنت کا صرف ایک سپاہی جھنڈے کے نیچے کھڑا تھا۔ جب کہ شرقی جانب ہندو آرمی نے توپیں گاڑ رکھی تھیں تاکہ ہیڈ پر پہنچنے والے لٹے پٹے مہاجروں کو خوفزدہ کیا جائے۔

آج کرپٹ اور عیش پرست حکمرانوں کو کیا پتا کہ پاکستان بنانے والوں نے اس کی تعمیر میں کیا کچھ داؤ پر نہیں لگایا؟ ستر ہزار عصمتیں، لاکھوں شہادتیں، سینکڑوں مساجد و مدارس، سینکڑوں معصوم بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر ان کے سامنے تلواروں کی نوک پر اچھالا گیا، ماؤں کے دل پھٹ گئے، اس کے باوجود انہیں اطمینان حاصل تھا کہ ان کی ان قربانیوں کے بدلے میں انہیں ایک ایسا ملک مل گیا ہے جہاں اس کے نام کی طرح پاک لوگ ہوں گے۔ جہاں ہندو معاشرے کی طرح نہ چھوٹ چھات ہوگی نہ ذات پات کا جھگڑا ہوگا۔ وہ آج بھی انہیں خیالات اور تصورات کو لیے زندہ ہیں۔

(۱۴- اگست ۱۹۴۷ء) ۲۷ رمضان المبارک کی شب ہم چھ تراویح پڑھ چکے تھے کہ ایک زور دار دھماکہ ہوا جس کی آواز موضع ”بھائی دا کوٹ“ ریاست فرید کوٹ کے گرد و نواح میں پانچ پانچ میل تک سنی گئی۔ یہ دھماکہ منڈی گیڈر بہا (ضلع فیروز پور) کے اسٹیشن پر ہوا تھا۔

ہوایوں کہ بانی پاکستان کے عملے کی سپیشل ٹرین نے دہلی سے روانہ ہو کر کراچی پہنچنا تھا۔ مہاراجہ پٹیل نے بٹھنڈا کے سکھ اسٹیشن ماسٹر کو حکم دیا کہ اس ٹرین کو کراچی نہیں پہنچنے دینا۔ اس حکم کی تعمیل میں بٹھنڈا کے سکھ اسٹیشن ماسٹر نے پٹیل میڈریبیوٹ بموں کے ساتھ اپنے آدمی منڈی گیڈر بہا بھیج دیئے اور جیسے ہی سپیشل ٹرین اسٹیشن پر پہنچی پٹری کے نیچے دبا گیا بم چل گیا جس نے بیس پچیس فٹ فلوادی ٹریک کو اڑا دیا، جس کے باعث دو ڈبے بھی اڑ گئے۔ لیکن خوش قسمتی کہ یہ دونوں ڈبے خالی تھے اور انجن بھی بم پھٹنے سے پہلے صحیح سلامت گزر چکا تھا، اس سپیشل ٹرین میں مسلح گارڈ بھی تھے۔ ان کے نوجوانوں نے توپیں گاڑ کر ان کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان توپوں کا شکار شہر کے سکھوں کو ہونا تھا۔

شہر کے معززین مسلمانوں اور سکھوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد گرد و نواح میں سکھوں کے حملے شروع ہو گئے۔ موضوع ”بھائی دے کوٹ“ کے مسلمانوں نے عید الفطر پولیس کے پہرے میں ادا کی اور عید کے دوسرے روز گاؤں کے مفتی ولی اللہ شہید پاکستان مولانا عبداللہ نے اعلان کیا کہ ظہر کی نماز کے بعد فوری طور پر گھروں کو چھوڑ کر قافلے میں شامل ہو جاؤ ورنہ سکھوں کی یلغار تمہیں تباہ کر دے گی، پس اس اعلان کا ہونا تھا کہ گاؤں اور گرد و نواح کے تمام مسلمان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر قافلے میں شامل ہو گئے۔

یہ قافلہ اب پاکستان کی جرنیلی سڑک (دہلی تا پٹنار) پر رواں دواں تھا، روپڑ نہر پر پہنچے تو دل دہلا دینے والے مناظر دیکھنے پڑے، مقتول مسلمانوں کی پاشیں پانی میں بہتے بہتے پھول کر کشتیوں کی شکل اختیار کر چکی تھیں، بھوک پیاس اور تھکن سے چور یہ قافلہ (جس کی لمبائی تقریباً ۵ کلومیٹر تھی) چھٹے روز بنگلہ فاضلکا (فیروز پور) پہنچا، یہاں پہلے سے طے شدہ ہندو ملٹری نے قافلہ پر حملہ کر دیا، مسلمان بالکل نہتے تھے، مسلمانوں پر گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں، صورت حال یہ تھی کہ سڑک پر پاکستان سے نکالے گئے شرارتیوں کا قبضہ تھا، سڑک کے دائیں کنارے پر سٹیج میں

## مولانا محمد حسن بصری رحمۃ اللہ الہ آبادی

مولانا عنایت اللہ امین

۱۹۲۸ء میں میاں باقر کے حکم پر شیرنگر مدرسہ فیض الاسلام میں آ گئے۔ یہاں آپ نے حافظ عبدالغفور جہلمی رحمۃ اللہ (وفات ۱۹۸۶ء)، حافظ مختار صاحب ساہیوال اور دیگر اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد یعقوب گوجروی رحمۃ اللہ (وفات ۱۹۸۲ء) سے سند فراغت حاصل کی۔ شیرنگر میں شرکائے درس مولوی احمد دین گہلن ہٹھاڑ، مولوی نذیر احمد ثانی بھگیاں وغیرہ تھے۔ جماعت کے جید علمائے کرام کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ موصوف سلفی ذہن کے حامل، طبیعت کے سادہ اور ملن سار، خوش طبع اور فیاض انسان تھے۔

روایتی تکمیل تعلیم کے بعد مولانا نے بطور خطیب ۲ سال ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء چھ خورد (نزد پتوکی) ۲ سال، شام کوٹ شیخاں (۱۰ سال) شیخاں والی مسجد چوئیاں ایک سال، کھجور والی مسجد چوئیاں ایک سال، محمد خاں والی مسجد چوئیاں پانچ سال، بھائی پھیرو میں کچھ عرصہ، کھنڈے موڑ ۲ سال، الہ آباد ٹھینگ موڑ اڈے والی مسجد میں، غرضیکہ تبلیغی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے ٹھینگ موڑ میں ذاتی مکان بھی عطا کر دیا۔ یہاں الہ آباد میں بقول محترم رحمت اللہ رحیق صاحب اپنی ذاتی گرہ سے ملکانوالی گلی میں مسجد کے لیے پلاٹ خرید کر مقامی احباب (ملک محمد نذیر و محمد بشیر) وغیرہ کی معاونت سے بنام مسجد محمدی کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ خطبہ بھی دیتے رہے جو بعد میں مولوی سراج دین مرحوم کی تولیت میں آ گئی۔ اب مسجد کا انتظام و انصرام اُن کے بیٹے قاری محمد جعفر صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ اس شجرہ طیبہ کی آبیاری کے لیے مولانا کی وصیت کے مطابق بعد از وفات چالیس ہزار کی کثیر رقم بھی محمدی مسجد کو وقف کی گئی۔ اللہ کی تقسیم سے اولاد کے لیے تین شادیاں کیں لیکن صلیبی اولاد

مولانا حسن بصری الہ آبادی ۱۹۲۸ء کو چک نمبر ۶ علی پور تحصیل چوئیاں ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد علی تھا اور یہ دو بھائی تھے۔ بڑا حاکم علی چھوٹا محمد علی، دونوں علی پور میں مسجد اہل سنت والجماعت کے امام و خطیب تھے۔ مولانا دو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اب ایک بہن حیات ہے۔ مولانا مرحوم اوائل عمری میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ بعد ازاں ان کی والدہ ماجدہ جو بہت دین دار اور صالحہ خاتون تھیں نے ۱۹۳۲ء میں عقد ثانی مولانا محمد ادریس محمدی رحمۃ اللہ خطیب شیرنگر سے کیا۔ ابتدائی تعلیم:

انہوں نے مولانا محمد ادریس صاحب سے حاصل کی۔ اُن کی تربیت و کفالت سے متاثر ہو کر مشیت ایزدی سے مولانا بصری رحمۃ اللہ نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔ ۱۲ سال کی عمر میں علاقے کی مشہور درسگاہ ڈھلیانہ زورینالہ خورد ضلع اوکاڑا میں داخل ہوئے۔ وہاں ۲ سال حافظ عبدالرزاق صاحب، مولانا عبداللہ سعید (وفات ۲۰۰۹ء) حافظ محمد بھٹوی (وفات ۱۹۹۵ء) سے کسب فیض کیا۔ بعد ازاں جھوک دادو میاں محمد باقر رحمۃ اللہ (وفات ۱۹۷۷ء) کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ میاں صاحب ایسے طلباء سے بڑا پیار کرتے اور خصوصی شفقت سے نوازتے تھے۔ وہاں آپ نے مولانا عبدالعزیز طور (وفات ۱۹۹۲ء) مولانا عتیق اللہ اور دیگر اساتذہ سے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی جھوک دادو میں مولانا کے شرکائے درس چند ایک ہیں۔

حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی رحمۃ اللہ (وفات ۲۰۰۸ء)، مولانا کرم الدین جلیلی کراچی (وفات ۱۹۹۴ء)، مولانا بنیامین طور (وفات ۲۰۰۹ء)، مولانا محمد اسلم چوئیاں، مولانا محمد رفیق چھجھوی ہیں بعد ازاں

مارا جس سے پاؤں زخمی ہو گیا آخر وہ مسافر تھے اپنی راہ لی۔  
یہ واقعہ مولانا مرحوم نے مجھے بھی ایک دفعہ سنایا تھا کیوں کہ مولانا  
بہ سلسلہ تعاون راقم کے پاس اکثر آتے جاتے رہے۔ الحمد للہ راقم ان  
کی عزت نفس اور شان کے مطابق توقع سے زیادہ تعاون اُن کے گھر  
پہنچاتا رہا۔ واللہ الحمد  
واقعہ یوں ہے:

میں جب پڑھتا تھا میرے والد چوں کہ خفی مسلک کے خطیب  
تھے۔ ایک دفعہ گھر آیا اور علی پور گاؤں میں کوئی ختم ”شریف“ کا موقعہ  
تھا۔ متعلقہ افراد والد صاحب کو ”ختم“ کے لیے لینے آئے۔ اتفاقاً  
والد صاحب گھر میں نہ تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے۔ چلو ”ختم“ پڑھنا  
ہے۔ ہمارے ساتھ چلو، میں نے دو ٹوک کہا مجھے ختم پڑھنا نہیں آتا۔  
کسی اور کو لے آؤ۔ وہ کہنے لگے! جو بھی آتا ہے ہمیں قبول ہے۔ میں  
نے خلاصی کے لیے جو بھی زبان پر آیا پڑھ کر دعا کر دی۔ واپسی پر  
انہوں نے میرے ساتھ دو تین لڑکے روانہ کیے جن کے سروں پر نئی  
ڈشیں تھیں جو چاول اور پھل وغیرہ سے بھر پور تھیں۔ وہ ہمارے گھر  
دے گئے، کچھ انتظار کے بعد وہ لڑکے برتنوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے  
لگے۔ میں نے کہا آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا میں نے ختم پڑھتے  
وقت کھانے کے ساتھ برتنوں کی نیت بھی کر دی تھی۔ اب وہ برتن  
واپس نہیں ہو سکتے۔ وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔ اُن کے بڑے  
کہنے لگے ٹھیک ہے ایسے ہی ہوگا۔ آپ اندازہ لگائیں جہالت اور  
تقلید کس قدر چھائی ہوئی تھی۔

۱۹۹۵ء میں مولانا کا گلہ خراب ہو گیا تھا اور انہوں نے خطابت  
وامامت کا مشن ترک کر دیا تھا۔ شوگر کے مریض تھے مرض بڑھتا گیا  
جوں جوں دوا کی۔ بالآخر بروز سوموار ماہ شوال ۱۴۳۰ھ بمطابق  
۲۰۰۹ء کو انتقال ہوا۔ الہ آباد کے مرکزی قبرستان میں مدفون ہوئے۔  
اللہم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجۃ فی المہدیٰ



سے محروم رہے۔ دل جوئی کے لیے ایک بیوی کے بھتیجے کو اولاد کے  
پورے حقوق دے کر پالا لیکن.....!

موصوف حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا  
علی محمد مصاصم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جلسوں کی زینت ہوتے تھے۔ راقم کو بھی  
راجوال کی کانفرنسوں میں کئی بار حضرت کا وعظ سننے کا اتفاق ہوا۔  
غرضیکہ اپنے وقت کے معروف خطیب تھے۔ جیسا کہ بھٹی صاحب کی  
تازہ تصنیف گلستانِ حدیث کے صفحہ نمبر ۲۹۶ پر حافظ محمد بھٹوی رحمۃ اللہ علیہ  
کے تذکرے میں ان کا ذکر خیر ملتا ہے۔

اب بقول محترم محمد سعید شیرنگری ایک دو واقع بھی سنتے جاییے۔  
تاکہ تذکرہ کے ساتھ قارئین کے عقائد کی اصلاح بھی ہو جائے۔ یہ  
تقریباً ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے ایک دفعہ شیرنگر میں بہت بڑا جلسہ  
تھا۔ اس جلسے میں روپڑی صاحب بھی مدعو تھے اور مولانا حسن بصری  
رحمۃ اللہ علیہ تقریر کر رہے تھے۔ اس جلسے میں علاقے کے بریلوی مولوی  
اپنے حواریوں سمیت شامل تھے۔ ایک مولوی نے تحریراً سوال کیا کہ  
گیا رہویں قرآن سے ثابت ہے۔ مولانا بصری رحمۃ اللہ علیہ ابھی سوال پڑھ  
ہی رہے تھے کہ گیا رہویں کا نام سن کر روپڑی صاحب فوراً اسٹیج پر  
آگئے۔ بصری صاحب کو پیچھے ہٹا کر گیا رہویں کا خوب رد کیا اور  
قرآن وحدیث کی ایسی بارش برسائی کہ بریلوی مولوی امین بھٹوی  
حواریوں سمیت وہاں سے چلتا بنا۔

علاقے میں جہالت اور پیر پرستی اس قدر تھی کہ ایک دفعہ مولانا  
بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ حافظ محمد بھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ڈھلیانہ سے  
واپس شیرنگر آ رہے تھے۔ سردی کا موسم تھا کہ ایک جگہ کچھ دیہاتیوں  
نے آگ جلا رکھی تھی جس کو عرف عام میں دھواں کہا جاتا ہے۔  
دونوں استاد شاگرد آگ تاپنے کے لیے اُن کے قریب ہوئے تو  
دیہاتی اُن کی داڑھیاں دیکھ کر چونک اٹھے کہ یہ تو وہابی ہیں۔ چلو  
یہاں سے بھاگ جاؤ یہ حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ کا مچ ہے۔ تم لوگ علی رحمۃ اللہ علیہ  
کے منکر ہو بلکہ ایک ملنگ نے حافظ محمد بھٹوی صاحب کے پاؤں پر چمٹا

## آج بھی!

فتنے اُسی طرح سے ہیں بیدار آج بھی  
میں دیکھتا ہوں حشر کے آثار آج بھی  
اقرار پر ہے سایہ انکار آج بھی  
تبیح میں ہے رشتہ زناں آج بھی  
سرمایہ خود پسند ہے افلاس خود فروش  
باقی نہیں ہے عظمت کردار آج بھی  
دل میں اُسی طرح سے ہیں تالے پڑے ہوئے  
کھلتے نہیں ہیں ذہن چہ اسرار آج بھی  
انسان ہی کی سعی مسلسل کے باوجود  
انساں ہے بندِ غم میں گرفتار آج بھی  
اہلِ ہوس کی سازشیں بروئے کار ہیں  
رسوا ہیں اہل دل سر بازار آج بھی  
کچھ پاس احتیاط ہے کچھ خوف داروگیر  
ہیں بند بند سے لبِ اظہار آج بھی  
صحنِ زمیں ہے تنگ غریبوں کے واسطے  
ماتا نہیں ہے سایہ دیوار آج بھی  
اللہ! یہ تمدن و تہذیب کا فروغ  
انسانیت ہے خستہ و بیمار آج بھی  
زردار کے حضور جبینیں جھکی ہوئیں  
دنیا ہے ظالموں کی طرفدار آج بھی  
مٹ جائے گا جہاں سے وہ ہو فرد یا کہ قوم  
اسلام سے ہے جو کوئی بیزار آج بھی

(ماہر القادری)